از افادات

حضرت سید العلماء مولانا السید علی نقی النقوی دام ظلہ
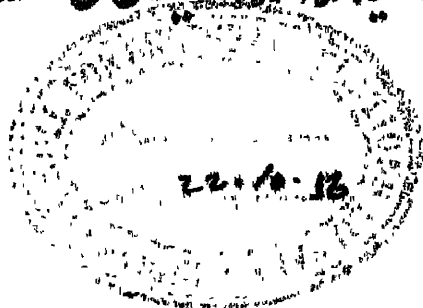
مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین

پردہ اور اُس کی اہمیت

پردہ کے سوال نے اُس وقت سے بہت اہمیت حاصل کر لی جب سے مغربی تمدن کے اثرات مشرقی ممالک پر پڑنے لگے اور جتنے یہ اثرات بڑھتے گئے اتنا ہی اس سوال کی اہمیت میں اضافہ ہوتا گیا اور میرا خیال یہ ہے کہ ان تمام مسائل میں جو تمدن قدیم اور تمدن جدید کے درمیان معرض بحث میں آ گئے اس سوال کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے کہ دوسرے سوالات محدود طبقہ اور محدود حالات سے متعلق تھے لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا اثر نصف بلکہ نصف سے زیادہ نوع انسانی کے حالات اور طرز زندگی پر پڑتا ہے۔

پھر جب سے ممالک اسلامیہ میں پردہ کے خلاف انقلاب برپا ہوا

تعارف

امامیہ مشن نے اپنے ابتدائے قیام سے اب تک تقریباً جتنے اہم مسائل ہیں اُن پر معلومات و تحقیقات کا وہ بیش بہا ذخیرہ اردو زبان میں فراہم کر دیا ہے جیسا اسکے پہلے موجود نہ تھا۔

لیکن چند مسائل ایسے ہیں جن پر ابھی تک کوئی رسالہ شائع نہیں ہوا ان میں سے "پردہ" کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

شکر ہے کہ یہ کمی اب پوری ہو رہی ہے، سرکار سید العلماء مدظلہ کے افادات کے اس مجموعہ سے جو سب سے پہلے دہ روزہ بیانات کی شکل میں مدرسۃ الواعظین میں ہوئے تھے اور اب سرکار ممدوح نے انکو کتابی شکل میں مرتب فرما دیا ہے۔ یہ اس موضوع پر ایسا گرانقدر ذخیرہ ہے جس کی اشاعت پر مشن جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ والسلام

"ادارہ"

میرا نظریہ ہے کہ پہلی قسم کے لوگ مذہب سے علانیہ منحرف ہو چکے ہیں اُن سے جزئیات اور فروع پر کوئی گفتگو بیکار ہے اُن سے تو اگر کوئی بحث بھی کی جائے تو وہ اصل اصول یعنی مذہب کی حقانیت ہی پر ہو سکتی ہے۔ مگر دوسری قسم کے لوگ اسکے مستحق ہیں کہ اُن کے بالمقابل پردہ کی حقانیت کو واضح کیا جائے نیز اُن عقلی پہلوؤں پر بھی غور کیا جائے جو اس کے نفع نقصان سے متعلق ہیں۔

میرے خیال میں بہت سے وہ مسائل جن پر ہمارے قلم اور زبان کی طاقتیں صرف ہوا کرتی ہیں اس وقت مردہ ہو چکے ہیں مگر پردہ کا مسئلہ ایک زندہ مسئلہ ہے۔ بہت سے مسائل عملی سے زیادہ خیالی ہوتے ہیں مگر یہ ایک اہم عملی سوال ہے جس پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔

پردہ کی اخلاقی بنیاد جو ہے یعنی عورت کا مرد کے مقابلہ میں ایک خودداری کا احساس جس کے نتیجے میں تہذیب کا یہ فیصلہ قائم ہوتا ہے کہ ایک مرد کو خیانت کے ساتھ عورت کی طرف قدم نہیں بڑھانا چاہئے اور عورت مرد کی طرف قدم نہ بڑھائے۔ یہ وہ منزل ہے جس میں ابھی تک ہمارے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے سوائے اشتراکیت کے ایک نظریہ کے جو عورت کو بھی مثل دیگر اموال کے ملک مشترک قرار دیتا ہے اور کوئی بھی اس اخلاقی اصول کا منکر نہیں ہے اور شکر ہے کہ ہمارے ہندوستان میں قدیم اصطلاح کے مطابق جو پاکستان کو بھی شامل ہے) اس طرح کی اشتراکیت کا حمایت کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے اور اس طرح پردہ کی جو اصل اساس ہے

جس میں مصر کا نمبر پہلا اور ٹرکی کا دوسرا اور ایران کا تیسرا تھا۔ اس سے دوسرے ممالک مثلاً عراق و شام اور حجاز بھی متاثر ہوئے اور اُس کے اثرات دوسرے ممالک اور بالخصوص ہندوستان کے مسلمانوں پر پڑنا لازمی تھے۔ اس صورت میں جو لوگ کہ مذہب سے علانیہ بے نیاز ہو چکے اُن کے لیے تو آسان تھا۔ وہ تو کہتے ہی ہیں کہ مذہب مجموعہ خرافات و اوہام ہے۔ انھی توہمات سے ایک پردہ کے حکم کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

مگر جو لوگ کہ بظاہر مذہب سے وابستگی ضروری سمجھتے ہیں وہ اپنے تجدد پسندانہ خیالات یا رویہ کو حق بجانب قرار دینے کے لیے آیات و احادیث کے غلط تاویلات کر کے یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ پردہ کوئی اسلامی حکم نہیں ہے۔

جب سے پاکستان بنا ہے اُس وقت سے اس وبا میں اور ترقی ہو گئی۔ چونکہ پاکستان کی بنیاد اسلام کے نام پر ہوئی ہے اس لئے وہاں کے بڑے بڑے صاحبانِ منصب میں سے کوئی بھی اسلام کے خلاف کھلم کھلا تو آواز بلند نہیں کر سکتا۔ پھر بھی بہت سے ارکانِ اعلیٰ میں خود اور نہیں تو اُن کے متعلقین میں مغرب پرستی اور تجدد پسندی رگ رگ میں بھری ہوئی ہے۔ اس تجدد پسندی کو مذہب کی حمایت کے ساتھ سازگار بنانے کے لیے اس کے سوا اور کیا چارہ کار رہ گیا کہ خود اسلام پر اتہام کا راستہ اختیار کیا جائے اور یہی ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ اسلام میں پردہ کا وجود نہیں ہے۔

بہت حد تک آزاد ہو گیا ہے ۔ اس کے بعد ممکن ہے کہ ہندوستان
یعنی انڈین یونین وہیں تک رہ جائے جہاں تک ہوا اور اب
قدم اس میدان میں آگے نہ بڑھے ۔ مگر پاکستان میں یہ خطرہ
زیادہ ہے کہ وہ براہ راست یورپ کی تقلید کو برا سمجھتے ہوئے
بلا واسطہ نہ سہی لیکن تقلید مصر و ترک کی بنا پر بالواسطہ
اس دام میں گرفتار ہو جائے اور اس میں سیاسی آزادی
کی ہوا معاشرتی آزادی کے جذبہ کو تقویت دیکر پردہ کے خلاف
اور زیادہ شورش انگیزی کی باعث ہو جسکے آثار بھی کچھ نظر
آتے ہیں ۔ اس کے دفعیہ کے لئے فرض شناس حقیقت پر در
افراد کا فرض ہے کہ قلم اور زبان کی پوری طاقت صرف کردیں
نتیجہ چاہے کچھ نہ ہو مگر اپنی ذمہ داری تو پوری ہو ہی جائیگی ۔
غور کیا جائے تو پردہ دور وحشت کی یادگار تو سمجھا
نہیں جا سکتا ۔ بہر حال ہے وہ دور تمدن ہی کی پیداوار اور
افراد انسانی نے ضرورت کا احساس کرکے اُسے اختیار کیا ہے
ہمارے اسلاف نے مدتوں قبل پردہ نہ ہونے کے حالات
کا تجربہ کرکے پردہ کے قانون کو اختیار کیا اور مذہب کو آج کل
کے تجدد پسند اشخاص الٰہی چیز نہ بھی مانیں تب بھی اُسے انھیں
بالغ نظر دانشمندوں کے ارتقاء دماغی کا نچوڑ تو ماننا ہی پڑے گا ۔
بہر حال نوع انسانی کے ایک بڑے طبقہ نے پردہ کی ضرورت

وہ اب تک بحمداللہ ہمارے ان گھروں میں قائم ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ
ہندوستان کی موروثی غیرت و حمیت جو یہاں کے ہندو اور مسلم دونوں
میں کم و بیش پائی جاتی رہی ہے۔ وہی ڈیڑھ سو برس تک تسلط قائم رہنے کے
باوجود ہندوستان میں مغربی اثرات کے اس حد تک پھیلنے سے مانع
رہی جو دوسرے ممالک میں صرف آس پاس کے حالات کو دیکھکر پیدا
ہو گئے ۔

یہاں جن جن گھرانوں میں پردہ اٹھا، ان میں سے بعض کے
حالات جو گوشزد ہوئے انھوں نے دوسروں کو لرزہ براندام کر دیا اور
بہت سے جو پرواز ترقی کے لیئے پر تول رہے تھے، پر سمیٹ کر بیٹھ گئے
ایسے بھی بعض تھے جو قلم اور زبان سے پردہ کے خلاف جہاد کرتے رہے
مگر خود اپنے گھر سے پردہ کو نہ اٹھا سکے اس غیرت کی وجہ سے جو یہاں کے
لوگوں کو ورثہ میں ملی ہے اور یہی وہ امید کی کرن ہے جو تاریک مستقبل
میں یہ خیال پیدا کرتی ہے کہ شاید ہندوستان اس تمدنی تباہی سے
دوچار نہ ہو جس سے بہت سے یورپ کے ممالک اس وقت دوچار
ہو چکے ہیں خصوصاً اس لیے کہ جس یورپ کی تقلید میں یہ سب کچھ ہو رہا
تھا اسے خود اپنی تمدن کی خرابیوں کا احساس بہت حد تک پیدا
ہو گیا ہے اور پھر ہندوستان میں اب عرصہ سے مغرب کی تقلید کا جذبہ
کم ہوتا جا رہا ہے اور مشرقی خصوصیات کو زندہ رکھنے کا خیال ترقی کر رہا
ہے خصوصاً اب جبکہ برطانیہ کا تسلط بھی اٹھ گیا ہے اور ہندوستان

حجاب قبل اسلام

جب ہم کہتے ہیں "اسلام کے قبل" تو اس کے دو مطلب ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ قومیں جو اُس وقت تمدن کی دعویدار تھیں اُن میں پردہ کا رواج تھا یا نہیں۔ دوسرے وہ مذاہب جو اُس وقت مقبولیت رکھتے تھے اُن میں پردہ کی تعلیم پائی جاتی تھی یا نہیں۔

پہلی حیثیت سے جب ہم دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت اپنی سلطنتی طاقت کی بنا پر جو تمدن بڑی عظمت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے وہ دو تھے۔ ایک مملکت فارس کا تمدن۔ دوسرے مملکت روم کا۔ یہی دونوں وہ تھے جو عربوں پر اثرانداز بھی ہوئے تھے کیونکہ علاوہ آزاد قبائل کے عرب کا ایک حصہ فارس کے زیر اثر تھا جس میں عراق داخل تھا اور یہاں ملوک حیرہ تھے ایک اور حصہ روم کے زیر اثر تھا جس میں شام داخل تھا اور یہاں ملوک غسان تھے۔ اس کے علاوہ علم و حکمت کے لحاظ سے یونان کا شہرہ ہو چکا تھا اس لیے وہاں کا تمدن قابل لحاظ تھا۔

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مداین اور فارس میں پردہ موجود تھا اور روم میں اپنی انتہائی شوکت و قوت کے دور میں پردہ کی بڑی سخت پابندی تھی۔

محسوس کرکے پردہ کی بنیاد رکھی اور اُسے مستحکم کیا۔ اب اس وقت اُن کی مدتوں کی محنت پر پانی پھیر کر اس عمارت کو ڈھا دینا تو آسان ہے مگر جب پھر تجربہ کے بعد اُن اسباب کا اندازہ ہوگا جو پردہ کی پابندی کے داعی ہوئے تھے تو سوائے حسرت و افسوس کے کچھ چارۂ کار نہ ہوگا۔

ممکن ہے اُس وقت پھر ہم کوشش کریں اس رسم کے جاری کرنے کی مگر یاد رکھنا چاہئے کہ کسی عمارت کا گرانا آسان ہوتا ہے اور بنانے کے لئے بڑی مدت درکار ہوتی ہے۔ پھر یہ اینٹ، چونے یا پتھر کا مکان نہیں جو سال دو برس میں بن کر تیار ہو جائے بلکہ یہ قوم کے مزاج اخلاقی کی عمارت ہے جو صدیوں میں تعمیر ہوتی ہے۔ اسے ہمیں معمولی بات نہیں سمجھنا چاہئے اور صرف جدت پسندی، فیشن یا دوسروں کی دیکھا دیکھی تمدن کے اس خزانۂ عامرہ کے برباد کرنے پر آمادہ نہ ہونا چاہئے جسے ہمارے اسلاف نے بڑی عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ حاصل کیا تھا۔

اسپارٹا میں عورتیں جب گھروں سے باہر نکلتی تھیں تو پردہ ضروری سمجھتی تھیں اور چہرہ کو چھپانے کی پابند تھیں۔
یوروپ تہذیب و تمدن میں اُس وقت کسی شمار میں نہ تھا مگر روس میں جو آج آزادی کا مرکز ہے ۱۹۱۶ء تک پردہ موجود تھا۔
اب دوسری حیثیت سے دیکھا جائے یعنی مختلف مذاہب کے تعلیمات پردہ کے بارے میں تو معلوم ہونا چاہئے کہ جس وقت اسلام کی تعلیم کا آغاز ہوا ہے اُس وقت دنیا میں زیادہ تر دو مذہب پھیلے ہوئے تھے ایک یہودیت دوسرے عیسائیت۔
یہود کی مقدس کتاب توریت اور اُس کے ملحقات ہیں جو "عہدنامۂ قدیم" کے نام سے مشہور ہیں۔ اور عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں اُس کے ساتھ ساتھ انجیل اور اُس کے ملحقات داخل ہیں۔
بائبل کے عہد جدید میں حضرت یسوع مسیح کا یہ قول موجود ہے کہ "تم سے کہا گیا تھا کہ عورتوں کو نہ دیکھو۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اُن کے برقعوں پر بھی نظر نہ ڈالو"
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت موسوی میں عورت پر نگاہ کرنے کی ممانعت موجود تھی۔ نیز پردہ کے لیے برقع کا رواج موجود تھا اور یہ بھی کہ حضرت مسیح نے اس حکم میں مزید

مؤرخین لکھتے ہیں کہ سلطنت روم میں کمزوری اُسی وقت سے پیدا ہوئی کہ جب سے بوالہوس مردوں نے بھولی بھالی عورتوں کو فریب دے کر پردہ شکنی پر آمادہ کر دیا اور رفتہ رفتہ ہوس پرستی میں ترقی ہوتی گئی اور شہوت رانی جنون کے درجہ تک پہونچ گئی یہاں تک کہ عورتیں مہمات ملکی میں دخیل ہو گئیں اور ان ہی کے ہاتھوں سلطنت روم کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔

اُس زمانہ میں ایک مشہور حکیم اور واعظ "کاٹن" اپنی پرزور تقریروں میں اس تمدنی خرابی پر توجہ دلایا کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ قوم دو سخت بیماریوں میں مبتلا ہے۔ ایک مالدار طبقہ کی حد سے زیادہ کنجوسی اور دوسرے عورتوں کا حد سے زیادہ بڑھا ہوا اقتدار۔ مگر جذبات کے طوفان میں ان تقریروں کا زیادہ اثر نہیں لیا جاتا تھا۔ آخر جو آخری انجام ہونے والا تھا وہ سامنے آگیا۔

یونان کی قدیم عورتیں اپنے چہرہ کو ایک ایسی نقاب سے چھپاتی تھیں جو جزائر کریس دامرجیں سے آتی تھی۔ اور پردہ کے معاملہ میں بہت انہماک رکھتی تھیں۔ یہاں تک کہ گھروں میں بھی مامائیں بھی نکلتی تھیں تو چہرہ پر نقاب ڈال لیتی تھیں۔ اس کے علاوہ انہیں ایک اس طرح کا پردہ بھی رائج تھا۔ جس سے قدو قامت کی شکل و مقدار معلوم نہیں ہوتی تھی۔

تیطس کے نام خط میں فصل دوم میں لکھا ہے :-
"جوان عورتوں کو نصیحت کرنا چاہئیے کہ وہ اپنے مردوں کو دوست رکھیں، پابند ہوں، پارسا ہوں اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہیں"

اس میں کوئی شک نہیں کہ مثل دیگر احکام کے یہ تعلیمات اسلامی احکام کے لحاظ سے وہ نسبت رکھتے ہیں جو ایک گھٹنیوں چلنے والے بچہ کو کامل انسان کے ساتھ ہوتی ہے۔ پھر بھی ان سے شریعت کے رجحان کا تو اندازہ ہوتا ہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے قانون میں عورت اور مرد کی حیثیت یکساں نہیں ہے بلکہ عورت کے لیے خصوصی طور پر پردہ کی تاکید ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خود ملک عرب میں اسلام کے قبل پردہ تھا یا نہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ زمانہ جاہلیت میں ملک عرب کی تاریخ اور اُس کے تمدن و معاشرت کے جاننے کا بہت بڑا ذریعہ اُسکے اشعار ہیں اسی لیے کہا گیا ہے کہ الشعر دیوان العرب یعنی اشعار قوم عرب کا دفتری خزانہ ہیں۔ چونکہ اُن میں تصنع کا پتہ نہیں تھا۔ وہ زیادہ تر فطری اور واقعاتی شاعری کرتے تھے اس لیے ان کی شاعری اُن کی زندگی کے متعلق معلومات کا آئینہ ہے۔

اشعار عرب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت

شدت پیدا کر دی۔

توریت کے سفر پیدائش باب ۲۴ میں یہ بھی درج ہے کہ "اسحٰق نکلے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے شام کے وقت ادھر سے ایک قافلہ آتا ہوا نظر پڑا جس میں ربقہ تھیں۔ اُنھوں نے اُن کو دیکھکر برقع لیا اور اُس سے پردہ کر لیا"

سفر امثال کے باب میں قابل نفرت عورت کے اوصاف میں لکھا ہے کہ "اُس کے پیر ٹکتے نہیں۔ کبھی باہر ہے اور کبھی سڑکوں پر"

پولس رسول کے خط میں جو قرنتیوں کے نام ہے گیارھویں باب میں لکھا ہے "جو عورت سر برہنہ دعا کرے وہ اپنے سر کو رسوا کرتی ہے" پھر لکھا ہے "مرد عورت سے نہیں ہے بلکہ عورت مرد سے ہے۔ اور مرد عورت کے لیے نہیں پیدا ہوا ہے بلکہ عورت مرد کیلیے پیدا ہوئی ہے۔ اور عورت کو چاہیئے کہ اپنے سر پر عزت کا پردہ رکھے"

پھر لکھا ہے "خود اپنے دل میں انصاف کرو کہ کیا عورت کے لئے یہ زیبا ہے کہ وہ بے پردہ خدا سے دعا کرے۔ کیا تم خود اپنی طبیعت کو نہیں آزماتے ہو کہ اگر مرد سر پر لمبے بال رکھے تو عیب ہے اور اگر عورت سر پر بال رکھے تو فخر ہے اس لیے کہ اُسے بال پردے کے لیے دیے گئے ہیں"

اور نصف حصہ سے چہرہ چھپایا جاتا ہے اس لیے اس حصہ کو "نصیف" کہتے ہیں۔ اس کا ذکر نابغۂ ذبیانی کے شعر میں ہے اُس موقع پر جب وہ نعمان بن منذر بادشاہ حیرہ کے پاس آیا ہے۔ اتفاق سے اُس وقت متجرّدہ زوجہ نعمان بھی موجود ہے اور بے اختیار اُس کے سر کا مقنع گر گیا۔ اُس نے فوراً اپنی کلائی سے اپنے چہرہ کا پردہ کرلیا شاعر اس منظر سے متاثر ہوتا ہے اور اس شعر میں نظم کرتا ہے:۔

سقط النصیف ولم ترد اسقاطہ فتناولتہ واتقتنا بالید

(یعنی، "مقنع اُس کے چہرہ سے گر گیا درانحالیکہ اُس نے گرانا چاہا نہیں تھا تو اُس نے (ایک ہاتھ سے) اُس مقنع کو پکڑا اور (دوسرے) ہاتھ کے ساتھ ہم سے پردہ کیا۔"

مقنع اور اُس سے چہرہ کے چھپائے جانے کے علاوہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کا احساس اُن خواتین کو اتنا تھا کہ اگر اتفاق سے بے اختیاری کے عالم میں چہرہ سے مقنع گر جاتا تھا تو وہ ہاتھ سے پردہ کر لیتی تھیں۔

(تیسرے) برقع جیسا کہ ابو النجم عجلی نے کہا ہے اپنی آزاد منش محبوبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے:۔

من کل عجزاء سقوط البرقع بلھاء لم تحفظ ولم تضیع

"فربہ اندام۔ برقع کو بے پرواہی سے اوڑھنے والی بھولی بھالی جس کی اخلاقی نگرانی پورے طور پر نہیں کی

میں عربوں کے یہاں پردہ موجود تھا۔ اور اصحاب عزت اور ممتاز گھرانوں میں چہرہ کا چھپانا ضروری سمجھا جاتا تھا۔

وہ لباس جس سے چہرہ مخفی کیا جاتا تھا چند قسم کے تھے۔

(پہلے) قناع یعنی مقنع۔ چنانچہ عنترہ بن شداد عبسی اپنے مشہور قصیدہ میں جو سبع معلقات میں درج ہے لکھتا ہے:۔

ان تغدفی دونی القناع فاننی — طبّ باخذ الفارس المستلئم

"یعنی تم اگر میرے سامنے مقنع ڈال لیتی ہو تو کوئی پرواہ نہیں کیونکہ میں تو بڑے بڑے زرہ پوش شہسواروں تک کو قبضہ میں لے آنے کے فن سے واقف ہوں"

اس سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں مقنع عورتوں کے لباس میں داخل تھا۔ یہ امر کہ مقنع سے چہرہ کا پردہ ہوتا تھا ذیل کے شعر سے ظاہر ہے۔

فلما تواقفنا وسلمت قبلت — وجوہ زھاھا الحسن ان تتقنّعا

یہاں کچھ آزاد منش حسینوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

"جب ہم جاکر کھڑے ہوئے اور میں نے سلام کیا تو متوجہ ہوئے ہماری طرف وہ چہرے جنھوں نے اظہار حسن کی غرض سے مقنع پوشی اختیار نہ کی تھی"

(دوسرے) "نصیف" یہ لفظ بھی مقنع ہی کے لیے استعمال ہوتی تھی اس بنا پر کہ مقنع سر پر ڈالا جائے تو نصف حصہ سر پر رہتا ہے

ان تمام اشعار سے عموماً چہرہ کے پردہ کا رواج ظاہر ہے
ان کے علاوہ ذیل کے اشعار سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) شاعر حماسی اپنے مخالف قبیلہ پر شماتت کے طور پر میدان جنگ میں اضطراب کی وجہ سے اُن کی عورتوں کی بے پردگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتا ہے :۔

ونسوتکم فی الروع باد وجوھھا یخلن اماءً والاماء حرائر

"تمھاری عورتیں میدان جنگ میں اس عالم میں تھیں کہ اُنکے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ وہ کنیزیں معلوم ہوتی تھیں حالانکہ حقیقت میں یہ کنیز صورت شریف عورتیں تھیں"

اس شعر سے پردہ کا عمومی رواج اس حد تک ثابت ہوتا ہے کہ وہ شرافت و حرّیت کی نشانی تھا اور یہ کہ چہرہ کھول کر باہر نکلنا اُس وقت کنیزوں سے مخصوص تھا اس لیے کہ اگر اشراف عرب میں عورتوں کا بے نقاب نکلنا رائج ہوتا تو اُسے دشمن کے سامنے بطور شماتت و تشنیع ذکر نہ کیا جاتا۔

(۲) ایک اور شاعر ربیع بن زیاد کہتا ہے :۔

قد کن یخبأت الوجوہ تستّرا والیوم حین بدون للنظّار

یہ بھی ویسے ہی موقع کا تذکرہ ہے جب میدان جنگ میں اضطراب کی وجہ سے عورتوں کے چہروں سے نقابیں ہٹ گئی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہ دشمن کا ذکر تھا اور یہ اپنی جماعت کا۔ وہ تبسّم زیر لب کے ساتھ

گئی مگر نا زو نعمت کے خیال کو جس کے نظر انداز نہیں کیا گیا"
جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اپنی کتاب امال میں "سقو ط
البرقع" کی شرح میں لکھتے ہیں :-
اذا ذا نها تبرز وجهها ولا تستره
" برقع کو گرانے والی" کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے چہرہ کو کھلا
رکھتی ہے اور اُسے چھپاتی نہیں ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ
برقع سے عموماً چہرہ چھپایا جاتا تھا ۔ نیز یہ کہ جو عورتیں اخلاق
آزادمنشی کی وجہ سے پردہ سے بے نیاز بھی تھیں وہ بھی عام رواج
کی بنا پر برقع اوڑھنا ضروری سمجھتی تھیں جیسے ہمارے زمانہ کی بہت سی
وہ عورتیں جو برقع اوڑھنے کے ساتھ چہرہ کو نمایاں کرتی رہتی ہیں ۔ مگر
برقع اوڑھ کر رواجاً اپنے کو پردہ دار ثابت کرتی ہیں ۔ ایک شاعر
نے کہا ہے ۔
لهونا بمنخول البراقع حقبة فما بال دهر لزّنا بالوصاوص
" مدت تک ہمیں دلچسپی کا موقع ملا ایسے حسینوں کے ساتھ جو اپنے
برقعوں کی آنکھیں کشادہ بناتی تھیں تاکہ مشتاقان دید چہرہ کا جلوہ
کچھ نہ کچھ دیکھ سکیں " (اس کا نمونہ بھی آج کل بعض نام نہاد پردہ دار
میں نظر آتا ہے) لیکن زمانہ کے ہاتھوں اب کچھ ایسی خواتین سے
سابقہ پڑا ہے جو اپنے برقع کی آنکھوں کے سوراخ بہت چھوٹے رکھتی
ہیں ۔ اس لیے شاعر کی حسرت دیدار پوری نہیں ہوتی ۔

وہ سماں ایک وقت میں دیکھا ہے جب یہاں ایسے وحوش نظر آتے تھے جن پر برقعے ہوتے تھے اور آج یہ وحوش ہیں جو برقع پوش نہیں ہیں"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ برقعے عمومی طور پر جو انہیں عربستان میں رائج تھے ورنہ برقع کے ثبوت اور نفی کو شاعر انسان اور حیوان کی تفریق کا کنایہ نہ بناتا کیونکہ اس نے "وحوش" کی لفظ کو مشترک قرار دیا ہے صرف جس لفظ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے انسانی وحوش یعنی دوشیزائیں مراد ہیں وہ (علیہا براقع) اُن پر برقع کا موجود ہونا ہے - اور جس لفظ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے واقعی وحوش یعنی جانور مراد ہیں وہ (لم بتبرقع) برقع پوش نہ ہونا ہے - اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہوسکتا ہے اس کا کہ برقع عام طور پر اس وقت طبقۂ خواتین میں انسانیت کی نشانی سمجھا جاتا تھا -

برقع کے متعلق یہ پہلے ثابت کیا جاچکا ہے کہ وہ چہروں کے پردہ کا ذریعہ ہوتا تھا اب اس کی لغوی تحقیق بھی سن لیجیے - چونکہ اردو زبان میں برقع کا مفہوم ذرا مختلف ہوگیا ہے یہاں تک کہ اب تو برقع نے ایک وضع لباس کی شکل بطور فیشن اختیار کرلی ہے جس کے ساتھ پردہ ہونا ضروری نہیں ہے مگر عربی زبان میں برقع کا یہ مفہوم نہ تھا - عکبری شارح دیوان متنبی نے لکھا ہے :-

البرقع نقاب تتخذہ نساء الاعراب بستر الجبینین والحواجب والوجہ فیہ ثقبتان للعینین (یعنی) برقع وہ

بطور شماتت کہا جا رہا تھا اور یہ ٹھنڈی سانسوں کے ساتھ بطور اظہار رنج۔ کہتا ہے کہ "ہمیشہ یہ خواتین پردہ داری کے طور پر اپنے چہرے چھپائے رکھتی تھیں مگر (افسوس) آج وہ اس طرح نکلیں کہ دیکھنے والوں کے سامنے بے پردہ تھیں"۔

شارح حماسہ خطیب تبریزی نے شرح میں کہا ہے:۔

ای کانت نساؤنا یخبأن وجوھھن عفۃ وحیاء و الاٰن ظھرن للناظرین لایعقلن من الحزن۔

یعنی "ہماری عورتیں اپنے چہروں کو عفت وحیا سے چھپائے رکھتی تھیں اور اس وقت رنج وغم سے وہ ایسی بدحواس ہوئیں کہ دیکھنے والوں کے سامنے نکل آئیں"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سوائے اضطراری موقع کے عرب میں چہروں کا بے نقاب رکھنا روا نہیں سمجھا جاتا تھا۔

(۳) ابن دمینہ کہتا ہے:۔

عھدت بھا وحشا علیھا براقع　　　وھذی وحوش اصبحت لم تبرقع

یہ شعر تغزل میں ہے۔ ادبائے عرب جوان عورت کو 'ہرن' 'نیل گائے' وغیرہ وحوش سے تشبیہ دیتے تھے۔ شاعر کی نظر دیار محبوب پر پڑتی ہے جو اب خالی ہیں اور وہاں جنگل کے ہرن گائیں وغیرہ مختلف (بیچ بیچ کے) وحوش چرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو ان حسینوں کو یاد کرتا ہے جو کسی وقت ان مکانات میں بسی ہوئی تھیں اور کہتا ہے کہ "میں نے

جو تمام قامت انسانی کے چھپانے کا فائدہ دیتا ہے۔

اس کے علاوہ عورتوں کو پردہ کا اتنا خیال تھا کہ "خبا ر" یا "بیت" کے اندر بھی گھر والوں سے مخفی ہونے کے لیے سوتے وقت پردہ ڈال لیتی تھیں اس لیے کہ وہ سوتے وقت مخصوص خواب کا لباس پہنتی تھیں جسے " فضالہ" کہتے ہیں اسے پہن کر وہ عام گھر کے لوگوں کے سامنے بھی نہیں رہنا چاہتی تھیں۔ اس پردہ کا بھی ذکر امرا القیس کے کلام میں موجود ہے:-

فجئت وقد فضت لنوم ثیابھا

لدی الستر الا لبسۃ المتفضل

"میں آیا اس حالت میں کہ اُس نے سونے کے لیے اپنے عام کپڑوں کو اُتار دیا تھا پردہ کے پیچھے سوائے اُس لباس کے جو شب خوابی کا ہوتا ہے"

ان تمام شواہد و اسناد سے ظاہر ہے کہ عرب کی عورتوں میں پردہ کا کس حد تک رواج تھا اور کس طرح وہ اُن میں معیار شرافت سمجھا جاتا تھا۔

تاریخی واقعات سے بھی ثابت ہے کہ عرب میں چہرہ کے چھپانے اور پردہ کرنے کا رواج تھا چنانچہ اسد الغابہ ابن اثیر جزری (جلد ۲ صفحہ ۹۵) میں یہ واقعہ درج ہے - کہ حمل بن مالک بن نابغہ ہذلی کا گزرا۔ اثیلہ بنت راشد کی طرف سے ہوا۔ اس حالت میں کہ اُس نے اپنا برقع اپنے چہرہ سے اُٹھایا تھا جب وہ جنگل میں اپنی بکریوں کو چرا رہی تھی۔ حمل بن

نقاب ہے جسے عرب عورتیں استعمال کرتی ہیں جس سے پیشانی، ابرو اور چہرہ پوشیدہ ہو جاتا ہے اور بس دو سوراخ آنکھوں کے لیے ہوا کرتے ہیں اس کے علاوہ عرب میں وہ پردہ بھی موجود تھا جس سے تمام قد و قامت کی مقدار نظر سے مخفی ہو جائے۔ اُن الفاظ میں جو اس پردہ کے لیے وضع ہوئے ہیں ایک "خِدر" ہے۔ چنانچہ اسی سے مشتق ہو کر ہماری عربی آمیز اُردو میں پردہ نشین خواتین کے لیے "مخدرات" کا لفظ مستعمل ہے "خدر" کا ذکر زمانہ جاہلیت کے اشعار میں موجود ہے۔ شاعر کہتا ہے :۔

اعمی اذا ما جارتی خرجت حتی یواری جارتی الخدر

(اپنی پارسائی کا اظہار ہے کہ) میں اندھا بن جاتا ہوں جب میری ہمسایہ خاتون باہر نکلتی ہے جب تک کہ میری اُس ہمسائی کو خدر چھپا نہ لے" بلکہ شریف عورت کی خصوصی تعریف "خدر" کی نسبت دیکھ عام روزمرّہ میں جاری و ساری تھی ۔ ملاحظہ ہو امرأ القیس کا شعر۔

وبیضۃ خدر لا یرام خباؤھا تمتعت من لھو بھا غیر معجل

اس میں حسین عورت کی تعبیر ہی "بیضۃ خدر" سے کی گئی ہے جس میں اضافت اتفاقی تعلق کی بناء پر نہیں ہو سکتی بلکہ وہ عمومی یا کم از کم عارضی اضافت و تعلق کا پتہ دیتی ہے ۔

دوسری لفظ جو اسی طرح کے پردہ کے لیے استعمال ہوتی تھی وہ بھی اسی شعر میں مذکور ہے "خباء" یہ بھی اسی طرح کے پردہ کا نام ہے

مذاہب میں اصولاً بھی اور خود ملک عرب میں بطور عملدرآمد بھی۔

اس کے بعد چونکہ اسلام کا مقصد سابق کی ہر غلط بات کی اصلاح تھی، خواہ یکبارگی اور خواہ تدریجاً۔ یہاں تک کہ بعض ایسی باتیں جو کسی ممدوح جذبہ کے ماتحت رائج تھیں مگر طریق کار غلط تھا اُس کے خلاف بھی آواز بلند کی گئی جیسے لڑکیوں کا زندہ درگور کرنا بر بنائے غیرت اور اولاد کو فقر و فاقہ کے نتائج سے بچانے کے لیے۔

یہاں تک کہ بعض ایسی پابندیاں جو غلط طور پر عائد کر دی گئی تھیں۔ اُن کے برطرف کرنے کے لیے اُس نے اپنے رسول کو بڑی سخت نکتہ چینی کے برداشت کرنے پر مجبور کر دیا صرف اس لیے کہ عوام کی ذہنیت میں تبدیلی ہو اور ایک غلط بات جو قائم ہو گئی ہے برطرف ہو جائے۔ جیسے اپنے منھ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا اور اُس کی بیوی کو بہو سمجھنا جو عام طور سے رائج ہو گیا تھا اُس کی اصلاح کے لیے رسول خود میدان عمل میں آگئے اور آپ نے اپنے متبنیٰ زید بن حارثہ کی مطلقہ زینب بنت جحش سے خود عقد کرنا ضروری سمجھا جس پر پہلے مشرکین ہی کی طرف سے نہیں۔ بلکہ آج تک آریوں اور عیسائیوں کی طرف سے بھی اعتراضات کی بھرمار ہے مگر اصلاح خلق کا مقصد اتنا اہم تھا کہ پیغمبر نے ان اعتراضات کی پرواہ نہ کی اور خود اپنے عمل سے اس کی نظیر قائم کرنا ضروری سمجھی۔

بعض چیزیں جو ایک دم ختم کرنا مناسب نہیں سمجھی گئیں اُن

مالک کی نظر جوں ہی اُس پر پڑی اور اُس کے حسن و جمال کو دیکھا فوراً اپنے اونٹ کو بیٹھا کر اُسے باندھ دیا اور آتیلہ کی طرف آکر چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔ اُس نے کہا اپنے آپے میں آؤ۔ اس وقت ہم اور تم اتفاقی طور پر ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ ایسا ہی ہے تو تم میرے باپ سے میری شادی کا پیغام دو۔ وہ تمھاری خواہش کو رد نہ کرینگے اُس نے نہ مانا اور دست درازی کرنا چاہی۔ لڑکی بہادر تھی اُس نے اُس شخص کو اُٹھا کر دے مارا اور سینہ پر بیٹھ گئی اور اُس سے عہد پیمان لیا کہ اب اس طرح کا ارادہ نہ کریگا۔ اسکے بعد سینہ سے اُتر گئی تو وہ پھر بیتاب ہوا اور شرارت پر آمادہ ہوا لڑکی نے پھر اُس کو گرایا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا اور آخری بار اُس نے اُس کے سر پر ایک لکڑی مار کر اُسے زخمی کر دیا جس کے بعد افتاں وخیزاں وہ واپس گیا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ عرب کی بلند درجہ امیر خواتین کا ذکر نہیں بلکہ متوسط الحال اور غریب عورتیں ایسی کہ جو خود بھیڑ بکریاں چرانے جنگل میں جاتی تھیں وہ بھی اپنے چہرہ پر برقع ڈال لیتی تھیں اور اتفاق سے بضرورت برقع چہرہ سے ہٹا تھا تو یہ فتنہ برپا ہوا۔

گذشتہ تبصرہ سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اسلام کے قبل پردہ کا وجود تھا۔ اُس زمانہ کے متمدن اقوام میں رواج تھا۔ اُس زمانہ

قوی بنانے کے اسباب فراہم کیے اور اس پابندی کو سخت کر دینے کے احکام جاری کیے تب تو کسی صورت سے یہ سمجھنا ممکن ہی نہیں کہ اسلام پردہ کے خلاف ہے یا وہ پردہ کا حامی نہیں ہے۔

نظر کا پردہ اور اسلامی احکام

پردہ کی پہلی قسم نظر کا پردہ ہے۔ اس کے بارے میں قرآن نے صاف طور پر حکم دیا ہے بلکہ اس سے مرد اور عورت کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ ایک طرف مردوں کیلیے حکم دیا :- قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذٰلک ازکی لھم واللہ خبیرٌ بما یصنعون " اے رسول ایمان لانیوالے مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں ہٹائے رہیں اور اپنے کو بدکاری سے محفوظ رکھیں۔ یہ اُن کے نفس کو پاک رکھنے کا ذریعہ ہے اور اللہ اُن کے کردار سے خوب واقف ہے۔"

اس میں مردوں کو اجنبی عورتوں پر نگاہ کرنے سے منع کیا گیا ہے بلا استثنا جس کے ساتھ اعضائے جسم کی کوئی تخصیص بھی نہیں کی گئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ غیر عورت کو دیکھنا نہیں چاہیے اور اور چونکہ کسی کو دیکھنے سے متبادر جو مفہوم ہے وہ اس کے چہرہ پر نظر کرنا اس لیے چہرہ سب سے پہلے اس حکم میں داخل ہوگا۔

" یہ نفس کو پاک رکھنے کا ذریعہ ہے" اس سے اشارہ ہے

میں اس طرح کے قیود و حدود عائد کیے گئے جن سے رفتہ رفتہ وہ کم ہوتی جائیں یہاں تک کہ ایک وقت میں بالکل ختم ہو سکیں۔ ایسی چیزوں کے متعلق اگر شریع میں کوئی صاف ممانعت نہیں بھی ہوتی تو اُس کے احکام سے کم ازکم اُسکے منشا اور اُس کے رجحان کا پتہ ضرور چلتا ہے جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُس کے احکام کی رفتار اُس شے کو مٹانے کی متقاضی ہے یا کم کرنے کی۔ جیسے غلامی۔ اگرچہ اسلام نے بردہ فروشی کو کلیتہً ممنوع نہیں کیا مگر اُس کے مختلف احکام سے اُس کا یہ رجحان ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آزادی کے زیادہ سے زیادہ امکانات پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوے غور کیجئے تو اگر اسلام کے قبل پردہ کا وجود نہ ہوتا اور اسلام پردہ قائم کرنے کی ضرورت سمجھتا تو ہمیں اسلام میں پردہ کے متعلق احکام ڈھونڈھنے کی ضرورت تھی۔ لیکن جبکہ اسلام کے قبل پردہ موجود تھا تو اگر بالفرض اسلام کے نزدیک یہ ایک غلط رسم ہوتی اور اُس کی اصلاح کی ضرورت ہوتی تو اسلام میں اُس کے خلاف آواز بلند کی گئی ہوتی۔ اگر صراحتہً ممانعت نہ بھی ہوتی تو اس طرح کے احکام ہوتے جو اُس میں تدریجی طور پر خفیفت پیدا کرنے کے باعث ہوں لیکن جبکہ ایسا نہیں ہے اور نہ صرف یہ کہ اسلام نے اس رسم کی برائی سے خاموشی اختیار کی جو تنہا اس رسم کے باقی رکھنے کا ثبوت ہوتی بلکہ اُس نے اس رجحان کو

نہیں ہوگا کہ کلیۃً اجنبی عورت پر نظر ڈالنا حرام ہے۔

اس کے متعدد جوانب ہیں جن میں سب سے زیادہ مضبوط پہلو یہ ہے کہ مِن تبعیض کے لیے وہاں ہوتا ہے جہاں محاورہ کے لحاظ سے مِن کے استعمال کا عام رواج نہ ہو۔ لیکن اگر کسی لفظ کے ساتھ مِن بطور "صلہ" کے عموماً استعمال ہوتا ہے جیسے اردو میں کہنے کے کے ساتھ "سے" کی لفظ مثلاً "میں نے تم سے کہا" اور فارسی میں "گفت" کے ساتھ "ب" کا استعمال مثلاً "با وگفت" اور عربی میں قول کے ساتھ "ل" کا استعمال مثلاً "قال لہ"، اس طرح اگر کسی فعل کے ساتھ عربی میں "مِن" کا استعمال ہوتا ہے تو اس صورت "مِن" "تبعیض" کو نہیں بتائیگا بلکہ صرف "صلہ" ٹھہریگا غضّ کی لفظ ایسی ہی ہے کہ اس کے ساتھ "مِن" کا استعمال بطور صلہ ہوتا ہے جس کی اہل لغت نے تصریح کی ہے۔

فیومی نے "مصباح منیر" میں لکھا ہے:-

غضّ الرجل صوتہ وطرفہ ومن طرفہ ومن صوتہ غضّاً من باب قتل خفض۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ "غض طرفہ" اور "غض من طرفہ" دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

سید علی خاں مدنی شارح صحیفۂ کاملہ نے اس فقرۂ دعا کی شرح میں کہ "وا غضّ بصری عنہم عفّۃ" لکھا ہے: غضّ الرّجل بصرہ ومن بصرہ من باب قتل خفضہ

اس امر کی طرف کہ نگاہوں کا غیر عورت پر پڑنا نفس میں طرح طرح کی بری نیتیں پیدا ہونے کا باعث ہے اور اس لیے چشم پوشی کو لازم قرار دیا ہے۔

پھر لطیف عنوان سے یہ بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ تم اس بارے میں لوگوں کی نگاہیں بچا کر اکثر خیانت کے مرتکب ہوتے ہو تمہاری اس "دُزدیدہ نگاہی" سے دوسروں کو اطلاع ہو یا نہ ہو مگر اللہ تو ان سب باتوں کو خوب جانتا ہے اس لیے اُسکے سامنے تمھیں نگاہوں کے محاسبہ کیلیے تیار رہنا چاہیے۔

پھر یغضوا من ابصارھم کو ویحفظوا فروجھم کے ہمدوش ذکر کرنا اس کا پتہ دیتا ہے کہ نگاہوں کا تبادلہ اکثر "جنسی گناہ" کے عمل میں آجانے کا سبب بن جاتا ہے اور اس لیے نظر کا کسی پر پڑنے نہ دینا اپنے کو اُس جنسی گناہ کے ارتکاب سے محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ہمارے استاد علاّم جناب سید باقر صاحب طاب ثراہ نے پردہ پر اپنی کتاب "اسداء الرغاب" میں جو تحف اشرف میں شائع ہوئی ہے تحریر فرمایا ہے کہ اس آیت سے استدلال میں یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں "یغضوا" کے حکم کے ساتھ "من ابصارھم" کی لفظ ہے اور "من" عربی میں تبعیض یعنی جزئیت کے لیے آتا ہے۔ اس لیے یہ معنی ہونگے کہ کچھ اپنی نظروں کو روکنا چاہیے۔ لہذا یہ ثا

دوسرے کی نگاہ کا اُٹھ جانا اُس آگ میں شعلے بلند کرتا ہے۔
اس لیے ایک طرف مردوں کو عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا اور دوسری طرف عورتوں کو مردوں کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھنے سے روکا۔ اگر ان دونوں حکموں پر عمل ہو تو بہت حد تک خرابیوں کا سدّ باب رہے۔

احادیث میں بھی غیر عورت کی طرف نظر اُٹھانے کی بہت شدّت کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے کبھی ارشاد ہوا النظرۃ سہم من سہام ابلیس مسموم
"نگاہ ایک تیر ہے شیطان کے تیروں میں سے جو زہر میں بجھایا ہوا ہے" اس مضمون کے متعدد احادیث ہیں کبھی فرمایا:۔
انّما النّظرۃ من الشیطان "نگاہ کرنا شیطانی کام ہے"
کبھی فرمایا ایاکم والنّظرۃ "دیکھو نظر کرنے سے پرہیز کرو" کبھی من ملأ عینیہ من حرام ملأ اللہ عینیہ یوم القیامۃ من النار الّا ان یتوب ویرجع "جو اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بھرے گا خدا اُس کی آنکھوں کو روز قیامت آتش جہنم سے پُر کریگا"

اس کے علاوہ کثیر التعداد احادیث میں یہ صراحت ہے کہ پہلی نگاہ تو جائز ہے مگر دوسری نگاہ حرام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ راستا چلتے ہیں جو ایک نظر پڑ گئی تو وہ معاف ہے۔ یعنی

اس کا بھی مطلب وہی ہے کہ "غضہ و غضّ من بصرہ" کے ایک ہی معنی ہیں۔

کلام عرب میں بھی یہ استعمال شائع ہے۔ چنانچہ جریر نے اپنے فرزند کے مرثیہ میں جس کا ذکر مبرد نے کامل میں کیا ہے کہا ہے:۔

فارقتنی حین غض الدھر من بصری

وحین صرت کعظم الرّمۃ البالی

"تم نے مجھ سے جدائی اختیار کی اسوقت جب زمانہ نے میری آنکھوں کو جھکا دیا اور جب میں ایک بوسیدہ ہڈی کے مثل کہنہ و فرسودہ ہوگیا"

حماسہ کے شاعر نے کہا ہے:۔

واغضّ من بصری واعلم اللہ فدیات سد فوارسی و رماحی

پھر جبکہ غض کی لفظ کے ساتھ "من" کا استعمال ہوتا ہی ہے تو اس سے "تبعیض" کے معنی کا پیدا کرنا کہاں درست ہو سکتا ہے؟

یہ حکم یغضّوا من ابصارھم تو مردوں کو دیا گیا تھا۔ دوسری طرف عورتوں کے لیے بھی حکم دیا گیا قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن الخ "کہو ایمان لانیوالی عورتوں سے کہ وہ اپنی آنکھوں کو ہٹائے رہیں اور اپنے کو بدکاری سے محفوظ رکھیں۔"

چونکہ صنفی جذبات کے اشتعال میں نگاہوں کے لڑنے کو بڑا دخل ہے ایک کی نگاہ کا بہرہ یاب حسن ہونا اگر آگ سلگاتا ہے تو

یا اپنی اولاد کے لیے یا اپنے شوہروں کی اولاد کے لیے یا اُن بچوں کے لیے جنھیں عورتوں کے نسوانی خصوصیات کی تمیز نہیں ہو۔"

اس آیت سے محرم اور نامحرم کی تفریق کی بنیاد قائم ہوئی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ محارم سے جن کی یہاں فہرست درج ہے پردہ لازم نہیں ہے اور ان کے علاوہ جتنے ہیں وہ نامحرم ہیں اور ان سے پردہ لازم ہے۔ پھر اس میں یہ اہتمام ہے کہ ان بچوں سے بھی پردہ لازم ہے جنھیں نسوانی امتیازات وخصوصیات کا احساس پیدا ہو گیا ہو۔ پھر خمار اوڑھنے اور خمار کو گریبانوں تک ڈالنے کا حکم بھی ہے تاکہ چہرہ کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہ رہے۔

خمار کی یہ نوعیت کہ اس سے چہرہ مخفی ہوا کرتا ہے کلام اہلِ زبان کی تتبع سے ثابت ہے۔ متنبّی کہتا ہے۔

انّی علی شغفی بما فی خمرھا لاعفّ عمّا فی سراویلاتھا

"میں باوجود اس شیفتگی کے جو مجھے اُسکے "زیر خمار" کے ساتھ ہے پھر بھی پرہیز رکھتا ہوں اُس حصّہ جسم سے جو زیر جامہ سے مستور ہو۔"

عکبری نے تبیان میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

انّی مع حبّی لوجوھھنّ اعفّ عن ابدانھنّ ویعنی) "میں باوجود ان کے چہروں کی محبت کے اُن کے جسم سے علیحدہ رہتا ہوں۔"

علامہ سید رضی رحمہ اللہ نے اسی مضمون کو ان الفاظ میں نظم کیا ہے:۔

یہ حکم نہیں ہے کہ آنکھیں بند کرکے راستہ چلو مگر اس کے بعد ارادۃً پھر نظر اُٹھا کر دیکھنا ناجائز ہے اور باعث مواخذہ ہے۔

نہ یہ کہ خاص طور پر تم جو نگاہ اُٹھا کر بقصد و ارادہ کسی اجنبی عورت پر نظر ڈالو تو یہ پہلی دفعہ جائز ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے بقصد ارادہ غیر عورت کے جسم و چہرہ پر نظر ڈالنا تو مطلقاً حرام ہے خواہ پہلی بار ہو یا بار ہائے دیگر۔

پردہ کے متعلق قرآنی احکام

لباس کا پردہ یعنی کوئی برقع یا نقاب یا مقنع جس سے جسم کے علاوہ چہرہ بھی مخفی ہو جائے۔ اس کا حکم صراحۃً قرآن مجید میں مذکور ہے ارشاد ہوتا ہے: ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا و لیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او اٰبائھن او اٰباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء

(یعنی) "خواتین اپنی آرائش جسمانی کو نمایاں نہ کریں سوائے اس کے جو (پردہ کرنے کے بعد بھی ظہراً) آرائش نمایاں ہوتی ہے۔ اور لازم ہے کہ وہ اپنے مقنعے اپنے سروں پر سے گریبانوں پر لٹکا لیا کریں اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں کے لیے یا اپنے باپ دادوں کے لیے یا اپنے شوہروں کے باپ دادوں کے لیے

معلوم ہوا کہ خمار کے اُتار نے سے چہرہ ظاہر ہوتا ہے اور خمار ڈالے رکھنے سے چہرہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

بحار الانوار میں حبابہ والبیہ کی روایت ہے کہ وہ امام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت نے دریافت حال کیا۔ انھوں نے کہا مجھے ایک خاص شکایت پیدا ہوگئی ہے جس کی وجہ سے حاضر نہ ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کیا شکایت۔ اس موقع پر روایت کا فقرہ یہ ہے کہ قالت فکشفت خماری عن برص وہ کہتی ہیں کہ "میں نے خمار ہٹا کر برص کا نشان دکھایا" اس سے ثابت ہے کہ برص ایسی جگہ تھا کہ خمار سے چھپا ہوا تھا۔ دوسری روایت میں جسے ابن شہر آشوب نے مناقب میں درج کیا ہے۔ تصریح ہے کہ کان لوجھی وضح حبابہ کا بیان ہے کہ میرے چہرہ میں یہ سفیدی کا داغ تھا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ خمار چہرہ سے متعلق ہوتا ہے۔

اس کے بعد جو قرآن نے حکم دیا ہے کہ خمار کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ خمار صرف چہرہ کی مقدار بھر نہ ہو ورنہ ہوا کی تحریک یا رفتار کی جنبش سے چہرہ کا کھل جانا یقینی ہے بلکہ وہ ایسا ہو کہ گردن کو چھپاتا ہوا گریبان تک پہونچ جائے تاکہ چہرہ و گردن وغیرہ کا کوئی حصہ کسی حالت میں نمایاں نہ ہو۔ اس سے پردہ کے بارے میں قرآن کے اہتمام کا ناقابل انکار ثبوت ملتا ہے۔

احنّ الی ما تضمر الخمر والحلی — واصدف عما فی ضمان المآزر

"میں مشتاق رہتا ہوں اُن اجزائے بدن کا جنھیں خمار اور زیور پنہاں کیے ہوئے ہیں اور پرہیز کرتا ہوں اُن اجزائے جسم سے جو تہہ بند کی ضمانت میں ہیں"

قاضی ابو علی تنوخی نے کہا ہے :-

قل للملیحۃ فی الخمار المذھب — افسدت نسک اخی التقی المترھب

نور الخمار ونور خدک تحتہ — عجبا لوجھک کیف لم یتلھب

"کہو اُس حسینہ سے جو زرتار خمار میں ہے کہ تو نے پرہیزگار زاہد کی بھی نیت خراب کر دی - خمار کی چمک اور پھر تیرے رخسار کا نور اُسکے نیچے - تعجب ہو کہ تیرے چہرہ سے شعلے کیوں نہ اُٹھنے لگے"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ خمار چہرہ کے اوپر ہوتا ہے اور رخسار زیر خمار مستور ہوتے ہیں -

متنبی کا ایک شعر ہے :-

سفرت وبرقعھا الحیاء بصفرۃ — سترت محاسنھا ولم تک برقع

اس کی شرح میں علامہ عکبری نے لکھا ہے :-

یقول لما القت خمارھا واسفرت عن وجھھا برقعھا الحیاء بصفرۃ "شاعر کا مطلب یہ ہے کہ جب اُس نے خمار اُتار دیا اور چہرہ اپنا ظاہر کر دیا تو حیا اور شرم نے اُس کے چہرہ پر زردی کا برقع ڈال دیا"

معنی میں چہرہ کا چھپانا ضروری ہو۔ یہ داخل ہو۔ چنانچہ علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف (جلد ۲ صفحہ ۲۳۱) میں لکھا ہے:-

معنی یدنین علیھن من جلابیبھن یرخینھا علیھن ویغطین بھا وجوھھن واعطافھن یقال اذا زل الثوب عن وجہ المرأۃ ادنی ثوبک علی وجھک۔

پھر زمانۂ جاہلیت کی لاپرواہی اور آیت کی شان نزول ذکر کرنے کے بعد (جس کا بیان ہم پہلے کر چکے ہیں) لکھا ہے:-

فامرن ان یخالفن بزیھن عن زی الاماء بلبس الاردیۃ والملاحف وستر الرؤس والوجوہ لیحتشمن ویھبن فلا یطمع فیھن طامع۔

"اور شریعت عورتوں کو حکم ہوا کہ وہ اپنے سر اور چہرہ کو چھپائیں تاکہ اُن کی وقعت قائم ہو اور ہوسناک اُن کے بارے میں ہوس سے کام نہ لے سکیں"

حافظ جلال الدین سیوطی نے درمنثور (جلد ۵ صفحہ ۲۲۱) میں لکھا ہے:-

اخرج ابن سعد عن محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ قال کان رجل من المنافقین یتعرض لنساء المؤمنین یوذیھن فاذا قیل لہ قال کنت احسبھا امۃ فامر اللہ تعالی ان یخالفن زیھن الاماء ویدنین علیھن من

(دوسری آیت) یاایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونسآء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین

"اے پیغمبر کہدو اپنی بیویوں سے اور اپنے گھر کی لڑکیوں سے اور تمام مسلمانوں کی عورتوں سے کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے سروں کے اوپر سے چہروں پر لٹکا لیا کریں — یہ کم از کم وہ امتیاز ہے جس سے اُن کی شناخت ہو اور پھر اُنھیں نہ ستایا جائے۔"

واقعہ یہ تھا کہ ابتدائے اسلام میں لاپرواہی سے اکثر عورتیں بس چادر سر پر ڈال لیتی تھیں اور نکل جاتی تھیں۔ بعض منچلے نوجوان کبھی کبھی عورتوں کو چھیڑتے اور ستاتے تھے اور اکثر شریف عورتیں بھی کنیزوں یا دوسری طرح کی عورتوں کے دھوکے میں اس تکلیف و توہین سے دوچار ہوتی تھیں۔ اس بنا پر حکم دیا گیا کہ شریف عورتیں اگر اپنی شرافت کی لاج رکھنا چاہتی ہیں تو انھیں خود اپنا تحفظ کرنا چاہیے ایسا جو اُن کی شرافت کا امتیازی نشان ہو اور وہ یہ کہ یہ اپنے چہروں کو کھولے نہ پھریں۔ بلکہ سروں کے اوپر سے برقع اتنا لٹکا لیں کہ چہرہ پر نقاب کی صورت سے آجائے اور اس طرح آوارہ مزاج نوجوانوں کو یہ جراُت نہ ہو کہ وہ ان کو تکلیف پہونچا دیں۔

لغویین اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ "ادنا جلباب" کے

یہ ہیں کہ چادروں کا کچھ حصہ چہروں پر ڈال لیا کریں جب کسی ضرورت سے گھر سے نکلیں۔"

بیضاوی نے اپنی تفسیر (مطبوعہ اسلامبول ۱۳۰۵ھ ص۵۲۳) میں لکھا ہے:- یغطین وجوھھن وابدانھن اذا برزن لحاجۃ "اپنے چہروں اور جسموں کو چھپائیں جب کسی ضرورت سے نکلیں۔"

علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسین قمی نیشاپوری نے اپنی تفسیر غرائب القرآن (ج ۲۲ ص۳۲ ، مطبوعہ مصر برحاشیہ تفسیر طبری) میں لکھا ہے:- معنی یدنین علیھن یرخین علیھن یقال للمرأۃ اذا زل الثوب عن وجھہا ادنی ثوبک علی وجہک ۔ ابو السعود نے اپنی تفسیر (ج ۷ برحاشیہ تفسیر کبیر ص۸۰۱) میں لکھا ہے:- ای یغطین بھا وجوھھن وابدانھن اذا برزن لداعیۃ من الدواعی ۔

سید محمد عثمان میر غنی مکی حسینی حنفی نے تاج التفاسیر (ج ۲ ص۹۳ مطبوعہ مصر ۱۳۰۳ھ) میں لکھا ہے ۔

یدنین علیھن من جلابیبھن ای یرخین علی وجوھھن وسائر اجسادھن ما یسترھن من الملاءات والثوب الساتر

ملا حسین واعظ کاشفی نے اپنی تفسیر مواہب علیہ (مطبوعہ بمبئی ج ۳ ص۱۸۳) میں لکھا ہے " بوقت بیروں رفتن از خانہ نزدیک گرداشند و فروگزارند بر رو وبدنہائے خویش چادرہائے

جلابیھن تخمر وجھھا الا احدی عینیھا۔

پھر لکھا ہے:۔

واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ عن ابن عباس رضی اللہ عنھما فی ھٰذہ الآیۃ قال امر اللہ نساء المؤمنین اذا خرجن عن بیوتھن فی حاجۃ ان یغطین وجوھھن من فوق رؤسھن بالجلابیب ویبدین عینا واحدۃ

پھر صفحہ ۲۲۲ میں لکھا ہے:۔

اخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ قال سألت ابا عبیدۃ السلمانی رضی اللہ عنہ عن قول اللہ یدنین علیھن من جلابیبھن فتقنع بملحفۃ فغطی راسہ ووجھہ واخرج احدی عینیہ

خطیب شربینی نے سراج منیر (صفحہ ۲۵۵) میں لکھا ہے:۔

یدنین علیھن ای علی وجوھھن وجمیع ابدانھن فلا یدعن منھا شیئا مکشوفا

"یدنین علیھن کا مطلب یہ ہے کہ تمام اپنے چہروں اور جسموں کو چھپالیں اور کوئی جزو ان میں کا کھلا ہوا نہ چھوڑیں"

تفسیر جلالین میں ہے:۔ ای یرخین بعضھا علی الوجوہ اذا خرجن لحاجتھن "یدنین علیھن من جلابیبھن کے معنی

ملا محسن کاشانی نے تفسیر صافی صفحہ ۴۲۷ میں لکھا ہے :۔

یغطین وجوھھن وابدانھن بملاحفھن اذا برزن لحاجۃ۔ شیخ فخر الدین طریحی نجفی نے مجمع البحرین (صفحہ ۱) میں لکھا ہے :۔

معنی یدنین علیھن من جلابیبھن ای یرخینھا علیھن ویغطین بہ وجوھھن واعطافھن ای اکتافھن "

سلطان محمد بن حیدر زجابدی خراسانی نے اپنی تفسیر بیان السعادۃ فی مقامات العبادۃ (ج ۲ صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ طہران ۱۳۱۴ھ) میں لکھا ہے :

کن لا یغطین وجوھھن وسائر مواضع زینتھن بجلابیبھن فامر اللہ تعالیٰ بستر الوجوہ والقدود بالجلابیب " پہلے عورتیں عموماً اپنے چہروں اور باقی مقامات زینت کو چھپانے کا لحاظ نہ کرتی تھیں اس لیے خداوند عالم نے حکم دیا کہ وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چادروں سے چھپا لیا کریں "

حاج میرزا حسن ملقب بہ صفی شاہ نعمت اللہی نے اپنی تفسیر میں جس کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ نثر میں بھی ہے اور نظم میں بھی آیت کی دونوں طرح تفسیر کی ہے۔ پہلے نثر میں کہتے ہیں (صفحہ ۶۲۳) " اے پیغمبر برگزیدہ بگو مر زنان خود را و دختران خود را و زنان گروندگان کہ وقت خروج نزدیک کنند بر ایشاں بر رویہا چادرہائے خود را "

پھر نظم میں کہتے ہیں (صفحہ ۶۲۳) :۔

اے پیمبر گو با زوجات چنیں ہم بنات تت ہم نساء مومنیں

خود را یعنی وجوہ و ابدان خود را بدان جوشا شد۔ این پوشیدن سر و روے و بدن نزدیک تر است بآنکہ ایشان را بشناسند بصلاح وعفت یا تمیز شوند بآزادی ۔

یہ تو مفسرین اہلسنت کے عبارات ہیں اور مفسرین شیعہ بھی اس سے متفق ہیں چنانچہ علامہ طبرسی نے مجمع البیان (ج ۲ صـ۳۷۵) میں لکھا ہے :۔

الجلباب خمار المرأۃ التی یغطی راسہا وجہہا اذا خرجت لحاجۃ "جلباب سے مراد وہ لباس ہے جس سے عورت اپنے سر اور چہرہ کو چھپائے کسی ضرورت سے نکلنے کے وقت۔"

دوسری کتاب جوامع الجامع (صـ۳۷۶) میں فرماتے ہیں معنی یدنین علیہن من جلابیبہن یرخین علیہن ویغطین بہا وجوہہن واعطافہن یقال اذا ازل الثوب عن وجہ المرأۃ ادنی ثوبک علی وجہک "یعنی" یدنین علیہن من جلابیبہن کے معنی یہ ہیں کہ چادروں کو لٹکا لیں اور ان سے چہروں کو اور تمام اطراف وجوانب کو بالکل چھپا لیں ۔ زبان عرب میں اس موقع پر جب کپڑا عورت کے چہرہ سے ہٹ جائے کہا جاتا ہے ادنی ثوبک علی وجہک یعنی اپنے کپڑے کو چہرہ پر لٹکا۔ پھر فرماتے ہیں کہ : من جلابیبہن میں من تبعیض کا ہے ای یرخین بعض جلابیبہن علی الوجہ " مطلب یہ ہے کہ کچھ حصہ چادر کا چہرہ پر ڈال لیں ۔"

نہ پھریں اور پھر اگر عفت سے کام لیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے"

یہاں آیت کی اٹھان شروع سے بتا رہی ہے کہ ایک حکم عام سے رعایتی استثنار کی صورت سے ایک اجازت دی جارہی ہے۔ اب دیکھیے کہ استثنا میں قیود کتنے سخت عائد کیے گئے ہیں۔ ہوسکتا تھا کہدیا جاتا کہ "بوڑھی عورتیں" مگر بڑھاپے کو ایک عمر خاص پر محمول کیا جاسکتا تھا جسمیں مختلف عورتوں کی حالت کاٹھی کے اعتبار سے جدا جدا ہوسکتی ہے اس لیے پہلے ہی لفظ "قواعد" کی رکھی گئی ہے جو اس پیری کے درجہ کا پتہ دیتی ہے جس میں انسان بالکل معذور ہوجاتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ "معیار حکم" کا پتہ دینے کے لیے یہ قید لگا دی کہ (اللاتی لا یرجون نکاحا) جس سے اندازہ ہوا کہ پردہ جس خطرہ کے احساس کی بنا پر تھا وہ خطرہ ان میں دور ہوچکا ہے۔ ان کے لیے یہ حکم ہے کہ یہ اپنے اوپر کے کپڑے کو اتار کر رکھ دیں۔ ظاہر ہے کہ ان کپڑوں سے مراد وہ لباس تو قطعاً نہیں ہی جو جسم سے متصل ہوتا ہے اور جس کے ہٹنے سے انسان مادرزاد برہنہ ہوجاتا ہے بلکہ ایسے لباس کے بعد پھر نسوانی پردہ داری کے نقطہ نظر سے جو برقع وغیرہ ڈالا جاتا ہے اس طرح کے لباس کو دور کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اس کے لیے بلاغت قرآنی نے ایک لفظ کے انتخاب سے

اینکہ بر روے از پے ستر و حجاب — چادرے گیرند در وقت ذہاب
تا بپوشد سینہ در دہاے شاں — ساق و ساعد پشت و پہلوہاے شاں

اقرب این باشد بعفت بے ستیز — تا کہ بشناسد شاں اہل تمیز

ملا فتح اللہ شیرازی نے منہج الصادقین (ج ۳ ص ۶۱۹) میں لکھا ہے

یدنین نزدیک گردانند و فرو گزارند علیہن بر رو و پہلوہاے خود جلابیبہن چادر ہاے خود را یعنی وجوہ و ابدان را بداں بپوشند ذلک آں پوشیدن سر و روے ادنیٰ نزدیکتر است بآنکہ ان یعرفن ایشاں را بشناسند بصلاح و عفت تا بہ جہت آں متعرض ایشاں نشوند۔

اب اس سے بڑھ کر چہرہ کو چھپانے کے بارے میں صاف حکم کیا ہو سکتا ہے؟

(تیسری آیت) والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحا فلیس علیہن جناح ان یضعن ثیابہن غیر متبرجات بزینۃ و ان یستعففن خیر لہن واللہ سمیع علیم۔

"وہ از کار رفتہ عورتیں جن کے لیے اب کسی مرد کی رغبت کی توقع نہیں ہو سکتی اُن کے لیے کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ اپنے پردہ کے لباس کو اُتار دیں لیکن اپنی زینت کو دکھاتی ہوئی بن ٹھن کر

نہ پھریں اور پھر اگر عفت سے کام لیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے ۔"

یہاں آیت کی اُٹھان شروع سے بتا رہی ہے کہ ایک حکم عام سے رعایتی استثنار کی صورت سے ایک اجازت دی جا رہی ہے۔ اب دیکھیے کہ استثنا میں قیود کتنے سخت عائد کیے گئے ہیں۔ ہو سکتا تھا کہدیا جاتا کہ "بوڑھی عورتیں" مگر بڑھاپے کو ایک عمر خاص پر محمول کیا جا سکتا تھا جسمیں مختلف عورتوں کی حالت کاٹھی کے اعتبار سے جدا جدا ہو سکتی ہے اس لیے پہلے ہی لفظ "قواعد" کی رکھی گئی ہے جو اُس پیری کے درجہ کا پتہ دیتی ہے جس میں انسان بالکل معذور ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ "معیار حکم" کا پتہ دینے کے لیے یہ قید لگا دی کہ (اللاتی لا یرجون نکاحا) جس سے اندازہ ہوا کہ پردہ جس خطرہ کے احساس کی بنا پر تھا وہ خطرہ ان میں دور ہو چکا ہے۔ ان کے لیے یہ حکم ہے کہ یہ اپنے اوپر کے کپڑے کو اُتار کر رکھ دیں۔ ظاہر ہے کہ ان کپڑوں سے مراد وہ لباس تو قطعاً نہیں ہے جو جسم سے متصل ہوتا ہے اور جس کے ہٹنے سے انسان مادر زاد برہنہ ہو جاتا ہے بلکہ ایسے لباس کے بعد پھر نسوانی پردہ داری کے نقطہ نظر سے جو برقع وغیرہ ڈالا جاتا ہے اُس طرح کے لباس کو دور کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اس کے لیے بلاغت قرآنی نے ایک لفظ کے انتخاب سے

اینکہ بر روئے از پئے ستر و حجاب — چادرے گیرند در وقت ذہاب
تا بپوشد سینہ در وہائے شاں — ساق و ساعد پشت و پہلوہائے شاں

اقرب ایں باشد بعفت بے ستیز — تا کہ بشناسد شاں اہل تمیز

ملا فتح اللہ شیرازی نے منہج الصادقین (ج ۳ ص ۶۱۹) میں لکھا ہے
یدنین نزدیک گردانند و فرو گزارند علیہن بر رو و پہلوہائے
خود جلابیبہن چادرہائے خود را یعنی وجوہ و ابدان را بداں بپوشند
ذالک آں پوشیدن سر و روئے ادنیٰ نزدیکتر است بآنکہ ان یعرفن
ایشاں را بشناسند بصلاح وعفت تا بہ جہت آں متعرض ایشاں
نشوند۔

اب اس سے بڑھ کر چہرہ کو چھپانے کے بارے میں صاف
حکم کیا ہو سکتا ہے؟
(تیسری آیت) والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون
نکاحا فلیس علیہن جناح ان یضعن ثیابہن غیر
متبرجات بزینۃ وان یستعففن خیر لہن واللہ سمیع
علیم۔

"وہ از کار رفتہ عورتیں جن کے لیے اب کسی مرد کی رغبت کی
توقع نہیں ہو سکتی اُن کے لیے کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ اپنے پردہ
کے لباس کو اُتار دیں لیکن اپنی زینت کو دکھاتی ہوئی بن ٹھن کر

اوپر پڑی ہوئی تھیں "

ظاہر ہے کہ بوجھا الگ سے ایک چیز ہوتی ہے جو جسم کے اوپر رکھی جاتی ہے۔ اس لیے اُس کے اُتار کر رکھ دینے کو وضع کی لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اب اس کا سمجھنا آسان ہے کہ قواعد نساء کیلئے جن کپڑوں کو الگ کرنے کی اجازت دی ہے اُن کے لیے نزع کی لفظ کا اطلاق کیوں نہیں ہوا اور وضع کی لفظ کا اطلاق کیوں ہوا؟ اور اس سے ثابت ہوا کہ جو قواعد من النسآء نہ ہوں اور جنہیں مردوں کے خواہشات نفس کا مرکز بننے کا اندیشہ ہو اُن کے لیے علاوہ اُس لباس کے جو تمدنی زندگی میں جسم سے متصل ہونا ناگزیر ہو شرع کی جانب سے ایک طرح کا لباس ایسا ہونا لازم ہے جو اوپر سے جسم پر ڈالا جائے۔

یضع عنھم اصرھم کی مدد سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ لباس جسم پر ایک بار کی طرح محسوس ہوتا ہے لیکن پردہ داری کی حفاظت کے لیے ایسے لباس کا اُن عورتوں کے لیے ہونا ضروری ہے۔

اقوال ائمہ معصومین ؑ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ صحیحہ محمد بن مسلم میں ہے امام سے پوچھا کہ اذکا ر رفتہ ضعیف عورتوں کے لیے کس لباس کا علیحدہ کرنا جائز ہے ؟ حضرت نے فرمایا جلباب!

حسنہ محمد بن ابی حمزہ میں بھی یہی ہے کہ تضع الجلباب وحدہٗ "وہ بس صرف اوپر کی چادر کو اُتار سکتی ہیں "

اشارہ کیا ہے جس کو عربیت میں ڈوبے ہوئے اشخاص ہی سمجھ سکتے ہیں
وہ یہ کہ ایسا لباس جو جسم سے متصل ہوتا ہے جس کے اوپر پہننا صادق
آتا ہے اُسکے جسم سے دور کرنے کے لیے لفظ استعمال ہوگی " نزع " جکے
معنی ہوں گے جسم سے اُتارنا - قرآن نے 'ینزعن ثیابھن ' استعمال
نہیں کیا ہے بلکہ 'یضعن ثیابھن ۔ یہ وہ لباس ہے جو جسم سے اُس
طرح کا اتصال نہیں رکھتا جس کا ہٹانا جسم سے کسی لباس کا اُتارنا
ہوتا کہ نزع صادق آئے بلکہ یہ وہ لباس ہے جو اُٹھا کر الگ سے جسم
پر ڈال لیا جاتا ہے اور اُس کا دور کرنا یہ ہے کہ اُس کو اُٹھا کر ڈالا
نہ جائے بلکہ رہنے دیا جائے ۔ اسی لیے وضع کی لفظ کا استعمال کیا ہے
جس کے معنی اُتارنے کے نہیں بلکہ رکھنے یا رہنے دینے کے ہیں ۔

قرآن میں نزع کی لفظ کا استعمال موجود ہے جس سے اُس کے
معنی کی خصوصیت ظاہر ہوگی اور وہ قصہ آدمؑ وحوا میں تناول گندم کے
بعد ہے ۔ وینزع عنھما لباسھما لیریھما سوءاتھما " شیطان اُن کے
جسم سے اُن کے لباس کے اُترنے کا باعث ہو رہا تھا کہ ان کے جسم کے
وہ اجزا جنھیں چھپانا لازم ہے ظاہر ہو جائیں " یہ چونکہ اُس لباس سے
متعلق ہے کہ جو جسم سے متصل ہوتا ہے اس لیے نزع کی لفظ ہے - اور
وضع کی لفظ کا استعمال یوں ہے کہ :-

یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم
" پیغمبر اُن سے اُن کے بوجھے کو اُتار رہا تھا اور اُن زنجیروں کو جو اُنکے

حکم پردہ سے ماظھر منھا کا استثناء

مفسرین کی پریشاں خیالی اور اسکا مختتم فیصلہ

وہ جو پردہ کے مخالف ہیں الّا ماظھر منھا کی لفظ سے استدلال کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن نے کم از کم ہاتھوں اور چہرہ کو مستثنٰی کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لا یبدین زینتھن "اپنی زینت کو نہ ظاہر کریں" اس میں زینت سے مراد مقامات زینت ہیں یعنی جسم کے وہ حصے جن کی آرائش کی جاتی ہے اور اُن سے استثنا کیا گیا ہے الّا ماظھر منھا "مگر وہ جو اُن میں سے ظاہر ہوں" اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن مقامات زینت کا چھپانا لازم نہیں ہے جو کہ نمایاں ہیں۔ یہ مقاماتِ زینت کون ہیں؟ ہاتھ اور چہرہ۔ یہی وہ اعضائے زینت ہیں جو قدرۃً نمایاں ہیں۔ ابن عباس سے اس کی یہی تشریح منقول ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ الّا ماظھر منھا سے مراد سرمہ اور مہندی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا انکشاف اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوئے نہ ہوں لہذا معلوم ہوا کہ چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا ہونا شرعًا جائز ہے۔

یہ استدلال ہے جو مخالفین پردہ کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے مگر وہ درست نہیں ہے۔

پھر اس استثنا میں جو ضعیف العمر عورتوں کے لیے ہے یہ قید لگائی جاتی ہے کہ وہ بھی اپنی زینت کو ظاہر کرتی ہوئی بن ٹھن کر نہ پھریں - یہ وہ بڑھیاں ہو سکتی ہیں جنھیں جوان بننے کی ہوس ہے یا جنھیں بڑھاپے میں بھی شوق چرّاتا ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں حسین معلوم ہوں مگر اس کا حق انھیں نہیں دیا جاتا -

تو پھر جوان عورت جو فطری دلکشی کی حامل ہے اُسکے لیے کب شریعت اس کی اجازت دے گی کہ وہ بے پردہ مردوں کے سامنے باہر آسے -

پھر اُن ضعیف عورتوں کیلیے بھی آخر میں یہ کہدیا جاتا ہے کہ وہ عفّت سے کام لیں تو بہتر ہے -

اس کے معنی یہ ہیں کہ نظرِ شرع میں خود پردہ سے نکلنا ہی عفّت کے خلاف ہے خواہ اس کے ساتھ کوئی بدنیتی شامل نہ ہو -

اس سے اُن نیک دل بھائیوں کو سبق ملیگا جو یہ کہتے ہیں کہ اصل میں نیّت بخیر ہونا چاہیے پھر پردہ نہ بھی ہو تو کیا مضائقہ؟ اُن کے نزدیک عفت کو صدمہ اُس وقت پہونچیگا کہ جب فسق و فجور وخیانت کے عملی ارتکاب کا ارادہ پیدا ہو - اور بغیر اس کے کتنی ہی بے پردہ عورت ہو وہ نیکوکار اور پارسا سمجھی جائیگی مگر افسوس ہو کہ قرآن اس بارے میں اُن کا ہم آواز نہیں ہے -

چونکہ زینت کا مفہوم عرفی یہی ہے اور قرآن مجید کے استعمالات
بھی اس کے شاہد ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ کہ لا یبدین زینتھن
میں زینت سے مراد اجزائے بدن لیے جائیں بلکہ یہی سمجھنا چاہیے
کہ جو سامان آرائش جسم پر ہے اسی کے چھپانے کا حکم ہے - یہ سامان
آرائش کیا ہوتا ہے ؟ یہی زیور اور لباس اسکی پردہ داری کا
حکم ہوا ہے اسی لیے کہ جسم کا کوئی حصہ کھلنے نہ پائے مگر دشواری یہ ہے
کہ جو وہ لباس جس سے جسم اور جسم سے متصل زینت کو ڈھانکا جائے
مثلاً برقع یا چادر یا مقنع وہ بھی زینت کے اطلاق میں داخل ہے
لہذا اسے بھی چھپانا لازم قرار پاتا ہے۔ اس بنا پر استثنا کیا گیا کہ
الا ما ظہر منہا یعنی جو زینت جسم کو چھپانے کے بعد بھی قدرۃً ظاہر
ہوتی ہے جیسے اوپر کا ملبوس یا سر کا مقنع یا پیر کی جرابیں یا ہاتھ
کے دستانے ان کا چھپانا لازم نہیں ہے - خود اسی آیت کا آخری
ٹکڑا کہ لئلا یعلم ما یخفین من زینتھن اس تشریح کی صحت کا
گواہ ہے کیونکہ ظہور اور خفاء متقابل صفتیں ہیں - پیر مار کر نہ چلیں
تاکہ جو زینت چھپائے ہوئے ہیں وہ ظاہر ہو - چھپائے ہوئے ہیں
کاہے میں یعنی لباس کے اندر تو اب جو زینت نہیں چھپی ہوئی ہے
وہ کون ہوئی ؟ جو لباس کے اوپر سے نمایاں رہے - یعنی لباس
کے اندر جو آرائش ہو وہ زینت مخفی ہے اور لباس کے اوپر سے جو
آرائش ہو وہ زینت ظاہر ہے - باطن اور ظاہر کے عربی زبان

ابن عباس وغیرہ کی تفسیر جب تک بطریق معتبر معصوم تک منتہی نہ ہو حجت اور لازم العمل نہیں ہے خصوصاً جبکہ اُن میں اختلافات بھی موجود ہیں۔ ابن عباس کی زبانی بیان کیا جاتا ہے کہ وجہ و کفین مراد ہیں یا یہ کہ سرمہ و حنا مراد ہے۔ اور ابن مسعود کا قول نظر آتا ہے کہ اس سے لباس مراد ہے۔ ایسی صورت میں ان غیر معصوم مفسروں کا اعتبار ہی کیا۔ تحقیق پسندی کے لحاظ سے اس سے بہتر تو یہی ہے کہ خود الفاظ قرآن پر نظر ڈالی جائے اور اُن سے کسی نتیجہ تک پہونچنے کی کوشش کی جائے۔

جہاں تک تبادر ذہنی اور فہم عرفی کا تعلق ہے کوئی شک نہیں کہ زینت کے معنی آرائش کے ہیں جو ایک خارجی چیز ہے۔ اجزائے جسم ہرگز بغیر مجازی تصرف اور قرینۂ خاص کے زینت میں داخل نہیں ہوتے۔ قرآن مجید نے بھی زینت کا استعمال اسی معنی میں کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: خذوا زینتکم عند کل مسجد "نماز کے موقع پر اپنی زینت اپنے ساتھ لے لو" کھلی ہوئی بات ہے کہ زینت سے مراد یہاں لباس و زیور ہی وغیرہ ہے۔ اجزائے بدن مراد نہیں ہیں۔

خود اسی آیت پردہ کے آخر میں ہے ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن "اپنے پیروں کو زمین پر مار کر نہ چلیں تاکہ جو زینت وہ چھپائے ہوئے ہیں معلوم ہو" یہاں زینت سے چھاگل، جھانجھ، پازیب وغیرہ وہ زیور ہی مراد ہیں جو پیروں میں پہنے ہوئے ہیں۔

نہیں اور اگر آزاد دیتی ہوں تو نہیں "

جناب اُستاد علام مولانا سید باقر صاحب قبلہ طاب ثراہ نے فریق مخالف کے اس خیال کو مان کر بھی کہ زینت سے مراد اجزائے جسمانی ہیں آیت کے سیاق سے ایک نہایت محققانہ نتیجہ نکالا ہے جو موصوف کی دقت نظر کا نتیجہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سیاق آیت کو دیکھو اس میں ایک دفعہ لا یبدین زینتھن کہا گیا ہے۔ یعنی عورتوں کو چاہیے کہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں اور اس میں استثناء کیا گیا ہے کہ الا ما ظہر منھا مگر وہ جو ظاہر زینت ہو " اس مقام پر محرم اور نامحرم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اس کے بعد ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن " اپنے خماروں کو اپنے گریبانوں پر ڈالیں " اس حکم کے بعد پھر ارشاد ہوا ہے ولا یبدین زینتھن اور "چاہیے کہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں" یہاں یہ استثناء کیا گیا ہے کہ الا لبعولتھن او اٰبآئھن او اٰباء بعولتھن او ابنائھن الخ یعنی "کسی کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے یا اپنی اولاد کے " وغیرہ وغیرہ ۔ یہاں پر زینت کی کوئی تفریق نہیں ہے کہ زینت ظاہر یا مخفی ۔

اس سے کہ پہلی جگہ محارم کا کوئی استثناء نہیں ہے۔ اور دوسری جگہ محارم کا استثناء ہے تو زینت کی کوئی تفریق نہیں ہے

میں یہ معنی شائع و ذائع ہیں۔ چنانچہ مکان کی تعریف میں حکماء کہتے ہیں السطح الباطن من الجسم الحاوی المماس للسطح الظاہر من الجسم المحوی "سطح باطن" یعنی نیچے کی سطح اور "سطح ظاہر" اوپر کی سطح۔ نہج البلاغہ میں ہے۔ ھو الظاھر فلا شیئ فوقہ والباطن فلا شیئ تحتہ۔ یہاں بھی ظاہر سے مراد اوپر اور باطن سے مراد نیچے لیا گیا ہے۔

پھر یہ ہر صاحب عقل کو سمجھنا چاہیے کہ جس شریعت کو پردہ میں یہ اہتمام ہو کہ پازیب یا چھاگل کی آواز کا غیر مرد تک پہونچنا پسند نہ کرے وہ عورت کے چہرہ کا جو حسن و جمال کا بڑا مرکز ہی غیر مردوں کے سامنے بے نقاب ہونا کیونکر پسند کر سکتی ہی۔ قرآنی آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر چھاگل وغیرہ پہنے ہو تو پیر آہستہ رکھکر چلے کہ آواز نہ بلند ہو اور حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی چھاگل کو پہننا ہی بہتر نہیں ہے جس میں آواز پیدا ہو۔ چنانچہ علی بن جعفرؑ نے اپنے برادر عالیمقدار امام موسی کاظمؑ سے جو تحریری مسائل دریافت کیے تھے اور اُن کا جواب حضرت نے دیا تھا اس میں ہے۔ سألتہ عن الخلاخیل ایصلح لباسھا للنساء قال ان کن صماء فلا باس وان کان لھا صوت فلا۔ امام سے دریافت کیا گیا کہ چھاگل اور پازیب کا پہننا عورتوں کے لیے کیسا ہی؟ حضرت نے تحریر فرمایا کہ اگر بے آواز ہوں تو کوئی حرج

کا بھی کیا ضرورت ہے۔ درست نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے لباس کی ایک لازمی نوعیت مقرر کی ہے جو مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے مختلف ہے۔ جس میں کسی دیکھنے والے کی موجودگی اور عدم موجودگی کا کوئی سوال نہیں ہے اور اس کے عملی ثبوت کا موقع ہے نماز کی حالت کہ انسان کے لیے نماز کی حالت میں جو ستر ضروری ہے اس میں دیکھنے والے کی کوئی قید نہیں۔ بالکل تاریکی میں، اکیلے مکان میں، دروازوں کو ہر طرف سے بند کر کے بھی نماز پڑھنا چاہے تو ستر ضروری ہے۔ بغیر اس کے نماز باطل ہوگی۔ یہ ستر مردوں اور عورتوں میں مختلف ہے۔ مردوں کے لیے تو فقط اعضائے مخصوص کا چھپانا لازم قرار دیا گیا ہے لیکن عورت کے لیے یہ حکم ہے کہ سوائے چہرہ اور ہاتھوں اور اکثر علماء کے قول کے مطابق پیروں کی پشت کے اور کوئی حصہ جسم کھلا ہوا نہ رہے۔ اس میں محرم اور نامحرم کا کوئی سوال نہیں ہے۔ یعنی اگر سب محرم ہوں بلکہ عورتیں ہی ہوں بلکہ وہاں کوئی موجود ہی نہ ہو تب بھی حالت نماز میں اتنا پردہ عورت کے لیے لازم ہے۔ معلوم ہوا کہ نظر قدرت میں عورت کے لباس کی یہ مقدار لازم ہے جو قطع نظر دیکھنے والے اور نہ دیکھنے والے کے اس کے واسطے معین ہے جس طرح مردوں کے لیے ستر عورتین۔

اب اس کے بعد یہ خصوصیت پیدا ہوتی ہے کہ عورتوں کو

ہم اس نتیجہ تک پہونچتے ہیں کہ پہلی جگہ لا یبدین زینتھن سے مراد
کسی دیکھنے والے سے پردہ نہیں ہے یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسروں
پر اپنے اعضائے زینت کا اظہار نہ کرو ورنہ محرم اور غیر محرم کی تفریق
ضروری تھی بلکہ اس سے مراد اپنی جگہ پہ پردہ ہی ہے یعنی کہ
مسلمان عورتوں کو لباس کی ایک نوعیت تعلیم کی گئی ہے کہ
تم کو ایسا لباس پہننا چاہیے جس میں اعضائے جسم چھپے رہیں
اور یہاں پہ اعضائے ظاہر کا استثنا کیا گیا ہے جس کی تفسیر وجہ
کفین سے کی جاتی ہے یعنی بس ہاتھ اور منھ کھلا رہے اور تمام
اعضائے جسم ڈھکے رہیں۔

اس کے بعد پھر قرآن مجید نے اُس پردہ کی تعلیم دینا
چاہی ہے جو عورتوں کو دوسرے مردوں کی نگاہوں سے
کرنا چاہیے تو یہاں ضرورت ہوی محارم کے استثنا کی کیونکہ ان
سے پردہ ضروری نہیں ہے ۔ مگر اس مقام پر اعضا میں
بھی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے کہ کس جزو کا چھپانا واجب ہو
اور کس کا واجب نہیں ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نامحرم سے
پردہ میں عورت کے تمام اعضا کو چھپا ہوا ہونا چاہیے اور
کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے ۔

یہ خیال کہ پردہ تو ہمیشہ دیکھنے والے ہی سے ہوتا ہے
جب کوئی دیکھنے والا نہیں تو ایسے وقت میں کسی طرح کے پردہ

اور پر نظر کرنے سے اور مردوں کو عورتوں پر نظر کرنے سے منع کیا گیا ہے
حالانکہ وہاں چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا استثنا، قطعاً نہیں ہے
اور اسی لیے جو علماء عورت کے چہرہ اور ہاتھوں کو حرمت نظر سے
مستثنےٰ قرار دیتے ہیں اُنھیں بھی مردوں کے ہاتھوں اور چہروں
کو مستثنیٰ قرار دینے میں دشواری محسوس ہوئی ہے۔ چنانچہ مقدس
اردبیلی رح نے "زبدۃ البیان" میں فرمایا ہے: ھذا ظاھر فی نھی النساء
عن النظر الی الاجانب اصلا و دا سا ویؤیدہ خبر ابن ام مکتوم
المشھور (یعنی) اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کو اجنبی مردوں
پر نظر کرنا بالکل حرام ہے اور ابن ام مکتوم کی مشہور روایت بھی اس
کی مؤید ہے"

فاضل ہندی نے کشف اللثام میں فرمایا ہے:۔
والحرمة مطلقا هنا اقوی "یہاں بالکل نظر کا حرام ہونا
بہت قوت رکھتا ہے"

پھر جبکہ عورتوں کا مردوں پر نظر کرنا مطلقاً حرام ہو اس لیے
کہ آیت قرآن میں کوئی استثنا نہیں تو مردوں کے غیر عورتوں پر نظر
کرنے میں چہرے اور ہاتھوں کو مستثنیٰ کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے
جبکہ آیت قرآن میں دونوں حکموں کا تذکرہ ایک ہی طرح کے
الفاظ کے ساتھ ہے اور الا ما ظھر منھا کا استثناء جس موقع پر کیا
گیا ہے وہاں غیر مردوں کا کوئی تذکرہ ہی قطعاً نہیں ہے۔

نامحرموں سے پردہ کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم مردوں کو نہیں ہے یعنی مردوں کو اس کا پابند نہیں کیا گیا ہے کہ تم نامحرم عورتوں سے پردہ کرو۔ لیکن عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم نامحرم مردوں سے پردہ کرو۔ اب اگر یہ پردہ انہی اعضاء کا ہوا جنکا بغیر کسی دیکھنے والے کی موجودگی کے بھی کم از کم حالت نماز میں ضروری تھا تو عورت کیلیے کوئی خصوصی امتیاز نہ ہوا۔ کیونکہ ایسے اعضاء کا جنھیں حالت نماز میں چھپانا چاہیے مردوں کو بھی پردہ لازم ہے محرم اور غیر محرم سب سے پھر اگر عورتوں کو بھی نماز ہی والے اعضاء کا چھپانا لازم ہوا تو کوئی خصوصی پردہ جو نامحرم کے لحاظ سے ہو عورت کے لیے کہاں ثابت ہوگا۔ معلوم ہوا کہ علاوہ اس پردہ کے جو بجائے خود ضروری ہے جس میں وجہ وکفین عورتوں کے لیے مستثنیٰ ہیں جو نماز کے علاوہ حالتوں میں اگر صرف مستحسن یا افضل ہو تو حالت نماز میں واجب بلکہ شرط صحت ہے۔ عورتوں کے لیے ایک پردہ مخصوص نامحرموں سے لازم ہے۔ یہ وہ ہے جسے دوسری مرتبہ لایبدین زینتھن کہہ کے الا لبعولتھن وغیرہ کے استثناء کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں الا ما ظہر منہا استثناء نہیں ہے۔ اس لیے اگر الا ما ظہر سے مراد وجہ وکفین ہوں تب بھی یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ نامحرم سے پردہ میں بھی کوئی خود مستثنیٰ ہے۔ اگر ایسا ہوتا کہ نامحرم سے پردہ میں بھی وجہ وکفین مستثنیٰ ہوں تو ضرور یہ اس موقع پر مذکور ہوتا کہ جہاں عورتوں کو مردوں کے

کسی فرد کو خارج نہیں کرتی بلکہ وہ بے پردگی کی ایک ایسی صورت بتاتی ہے جس سے تعلق تکلیف ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ وہ فعل اختیاری نہیں ہے۔ اصطلاحی طور پر اس صورت میں استثنا منقطع ہوگا مگر اس کے نظائر قرآن مجید میں موجود ہیں جیسے ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم من النساء الا ما قد سلف (یعنی) "اُن عورتوں سے کہ جن سے تمہارے باپ نے کبھی تعلقات ازدواجی قائم کیے ہیں اس طرح کے تعلقات قائم نہ کرو مگر جو پہلے ہو چکا" ظاہر ہے کہ حکم یا ممانعت جو بھی ہو وہ اس وقت سے آئندہ کے متعلق ہوا کرتی ہے۔ ماضی اختیار ہی میں نہیں ہوتا تاکہ اُس سے تعلق تکلیف ہو مگر چونکہ ایک فرض شناس انسان کو آئندہ کی ممانعت کے ساتھ یہ تصور ضرور پیدا ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں جو ایسا ہو چکا اُس کے گناہ کو کیسے دفع کیا جا سکتا ہے تو اس لیے الا ما قد سلف سے اطمینان دلا دیا گیا کہ جو پہلے ہو چکا وہ معاف ہے اُس کا کوئی گناہ نہیں مگر اب ایسا نہ کرنا۔

اسی طرح دوسری آیت وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف "یہ امر نا جائز ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھو مگر جو ہو چکا" اسکا یہ مطلب نہیں کہ جو ہو چکا وہ اب آئندہ کے لیے بھی جائز ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہو کہ جو ہو چکا وہ ہو چکا اس کی سزا تم کو نہ دی جائے گی۔

ایک دوسری توجیہ

جناب سید باقر صاحب قبلہ طاب ثراہ نے ایک اور توجیہ بھی تحریر فرمائی ہے جو مستحق توجہ ہے - وہ فرماتے ہیں کہ پہلے ممانعت ہوئی ہے "ولا یبدین زینتھن" "اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں" ظاہر کرنے کے معنی ہیں بارادہ و قصد جسم کو نامحرم کے سامنے کھولنا اس کے بعد ارشاد ہوا ہے الا ما ظھر منھا "مگر جو اعضا ظاہر ہو جائیں" "ظاہر ہو جائیں" سے کسی فعل ارادی کا پتہ نہیں چلتا بلکہ مطلب یہ ہو کہ پردہ داری کی کوشش کے باوجود اگر اتفاقیہ کوئی حصہ جسم کھل گیا تو گناہ نہ ہوگا - یہ ویسا ہے جیسے نگاہ میں پہلی نظر کو مستثنیٰ کیا گیا ہے - یعنی اتفاقی نظر لیکن دوسری نظر یعنی جان کر پھر دیکھنا حرام - ویسے ہی مثلاً عورت اتفاق سے یہ سمجھ کر کہ کوئی سامنے نہیں نقاب ہٹائے ہوئے ہے اور اتفاق سے مرد آگیا تو نہ اُس کی اس نگاہ میں گناہ اول نظرۃ والی حدیث کے مطابق اور نہ اُس کے چہرہ کے کھلے ہونے میں گناہ الا ما ظھر کے مطابق - ہاں اگر اس کے بعد پھر دہ دیکھے تو گناہگار (والنظرۃ الثانیۃ علیک) کی بنا پر اور اگر یہ اس جاننے کے بعد کہ نامحرم سامنے ہے بے پردہ نہ کرے تو یہ گنہگار (ولا یبدین زینتھن) کی بنا پر - اس کے معنی یہ ہیں کہ الا ما ظھر منھا کی لفظ خود بے پردگی کے عمل میں کہ جو حرام ہو

ایسے اشخاص سے منقول ہیں جو غیر معصوم ہیں اور وہ خود آپس میں اختلاف بھی رکھتے ہیں اس لیے ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لیکن ایک حدیث قابل لحاظ ہے جو بطریق صحیح وارد ہوئی ہے، وہ فضیل بن یسار النہدی کی روایت ہے امام جعفر صادقؑ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سے کہنیوں کے نیچے کے حصے یعنی باہوں کے متعلق دریافت کیا کہ یہ بھی اُس زینت میں داخل ہے جس کے چھپانے کا اس آیت میں حکم ہے کہ ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن حضرت نے فرمایا:
نعم وما دون الخمار من الزینۃ وما دون السوارین
"ہاں یہ زینت میں داخل ہیں اور خمار کے نیچے کا حصہ بھی زینت میں ہے اور کنگنوں کے نیچے کا حصہ بھی"
اس سے بعض ارباب فہم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ چہرہ اور دونوں ہاتھ پردہ سے مستثنیٰ ہیں حالانکہ حدیث کے الفاظ سے غور کرنے کے بعد اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔

جناب سید باقر صاحب قبلہ نے اس پر بہت بسیط بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔
جہاں تک ہماری سمجھ میں آتا ہے خمار کے نیچے کے حصہ سے مراد چہرہ ہے اور کنگنوں کے نیچے کے حصہ سے مراد دونوں ہاتھ ہیں اور اس کے کہنے کی ضرورت امام کو اس لیے پڑی کہ اہل سنت میں یہ بات مشہور تھی کہ ماظہر سے مراد آیت میں چہرہ اور دونو

علامہ طبرسی مجمع البیان میں فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر عام روزمرہ میں یہ ہے کہ لا تبع من مالی الا ما بعت ولا تأکل الا ما اکلت " دیکھو میرے مال سے اب کچھ فروخت نہ کرنا مگر جو فروخت کر چکے اور اب نہ کھانا مگر بس پہلے جو کچھ کھا چکے "

اس طرح کے استثناء کی نظیر قرآن میں ایک یہ ہے کہ: لا یذوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولیٰ " اہل جہنم کو جہنم میں اب موت کا مزہ چکھنے میں نہ آئیگا مگر پہلی موت کہ جس کا مزہ چکھ چکے ہیں وہ تو خیر چکھ ہی چکے ہیں "

اسی طرح اس آیت میں جو محل بحث ہے لا یبدین زینتھن یہ سنکر کہ جسم کا نامحرم کے سامنے کھلنا ناجائز ہے ایک فرض شناس خاتون کو یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ کبھی اتفاقی طور پر جو نامحرم کی نگاہ پڑ جاتی ہے اس کا کیا ہوگا تو کہا گیا الا ما ظھر منھا " مگر اتفاقی طور پر جو ایسا ہو جائے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کا کوئی گناہ نہیں ہے

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اختیاری طور پر کسی جزو بدن کا ظاہر کرنا نامحرم کے سامنے جائز ہے ۔

احادیث متعلق زینت

زینت کی تفسیر میں جتنے اقوال ہیں وہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں

کلائی اور سوار کے معنی ہیں کنگن۔ معصم یعنی کلائی ہی محل سوار ہوتی ہے۔ اور شاعر کے قول سے ظاہر ہے کہ معصم سے متصل بس کفین ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی دوسری چیز نہیں اس لیے دون السوار یعنی دونوں کنگنوں سے نیچے صرف کفین قرار پاتے ہیں اور ان ہی کو امام نے فرمایا ہے کہ یہ زینت میں داخل ہیں۔

اگر ہم دون کے معنی لغوی پر غور کریں، تب بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے اس لیے کہ دون کے ایک معنی پاس اور نزدیک کے ہوتے ہیں جیسا کہ علامۂ زمخشری نے کشاف میں کہا ہے: معنی دون ادنی مکان من الشیئ " دون کے معنی ہیں قریب ترین جگہ کسی چیز سے "۔ اسی اعتبار سے جمع کتب کو "تدوین" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں بعض اجزاء کتاب بعض سے قریب رکھے جاتے ہیں اور عرب کے روزمرہ میں کہا جاتا ہے دونک هذا " لو یہ تمہارے پاس ہے "۔

خذ ہ من دونک " اپنے پاس سے لے لو "۔

بیضاوی اور فخر الدین رازی اور ابو السعود وغیرہ مفسرین نے بھی یہ معنی لکھے ہیں اور سید علی خان مدنی شارح صحیفۂ کاملہ نے بھی ان کو درج کیا ہے اور ایک جگہ تصریح کی ہے کہ یہی اس لفظ کے اصلی معنی ہیں۔ فیومی نے مصباح منیر میں کہا ہے:- هذا دون ذلک کے معنی ہوتے ہیں اقرب منہ یعنی یہ اس سے بہت

ہاتھ ہیں اور یہ پردہ سے مستثنیٰ ہیں۔ بظاہر سائل کے ذہن میں یہی چیز تھی جو اُس نے ذراعین یعنی باہوں کے متعلق سوال کیا۔ امام نے اُس کی غلط فہمی کا اندازہ فرماتے ہوئے اُس کے سوال کا جواب دیکر یہ اضافہ فرمایا کہ باہوں کا کیا ذکر جسے عام لوگ مستثنیٰ سمجھتے ہیں یعنی خمار کے نیچے کا چہرہ اور کنگنوں کے نیچے کے ہاتھ یہ بھی مستثنیٰ نہیں ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ عام طور سے کلام عرب میں چہرہ کے متعلق دون الخمار اور دون القناع ہی کے الفاظ صرف ہوتے ہیں جن کے معنی یہ ہیں کہ وہ مقنع اور خمار کے نیچے ہوتا ہے چنانچہ دیوان حماسہ کے ایک شاعر کا قول ہے:

فالقت قناعا دونہ الشمس واتقت
باحسن موصولین کف و معصم

(یعنی "اُس حسینہ نے وہ مقنع پھینکدیا جس کے نیچے آفتاب تھا اور پردہ کیا دونوں انتہائی حسن کے ساتھ آپس میں ملے ہوئے ہاتھ اور کلائی کے ساتھ")

یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آفتاب سے مراد چہرہ ہے اور اُسے شاعر نے دون القناع (مقنع کے نیچے) کہا ہے۔ اس لیے روایت مفضل میں بھی دون الخمار (خمار کے نیچے) سے مراد چہرہ ہی لینا چاہیے اور دوسرا مصرع اُس معنی کا شاہد ہے جو ہم نے دون السوارین میں قرار دیے ہیں کیونکہ معصم کے معنی ہیں

اور نتیجہ بالکل ایک ہی خواہ انسان قناعت کرے اور خواہ جدوجہد سے کام لے۔"

تیسرے معنی دون کے ہوتے ہیں کسی جگہ سے اس طرف یا اُس طرف کے۔ جیساکہ نہج البلاغہ میں امیرالمومنین ؑ نے خوارج کے بارے میں فرمایا:۔ مصارعھم دون النطفۃ "اُن کے قتل ہونے کی جگہ نہر کے اسی طرف ہے۔"

اور کافی میں ہے کہ جنگ نہروان کے موقع پر ایک سوار دوڑتا ہوا آیا اُس نے کہا یا امیرالمومنین فتح مبارک ہو دشمنوں کی جماعت تمام وکمال قتل ہوگئی۔ حضرت نے فرمایا من دون النھر او من خلفہ "نہر کے آگے یا اُس کے پیچھے" اُس نے کہا بل من دونہ "نہیں بلکہ نہر کے آگے"۔ حضرت نے فرمایا کذبت والذی فلق الحبّۃ لا یعبرون ابداً "تو غلط کہتا ہے بخدا وہ نہر کے اُس پار نہیں جائینگے۔"

اس حدیث میں الفاظ کی جو ترتیب ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دون "اُس طرف" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اور صحیفۂ کاملہ کی دعا میں ہے:۔ کانت عافیتک لنا حجابا دون ابصارھم

"تیری طرف کی سلامتی اُن کی آنکھوں کے سامنے ہم پر ایک پردہ کی حیثیت سے چھائی ہوئی تھی۔"

اب دون کی لفظ کے ان معانی پر غور کیجیے اور دیکھیے کہ ہر ایک

قریب ہے۔

اسی اعتبار سے امام موسیٰ کاظمؑ کی سجدہ کی دعا میں ہے:۔
یامن علا فلا شیئ فوقہ ویا من دنا فلا شیئ دونہ
"اے وہ خالق جو بلند ہے اتنا کہ اُس سے اونچی کوئی چیز نہیں اور نزدیک ہے اتنا کہ اُس سے نزدیک تر کچھ اور نہیں"

نمازِ عشاء کی تعقیب میں ہے: وانت الظاھر فلا شیئ فوقک وانت الباطن فلا شیئ دونک
یہاں بھی دُونَکَ کے یہی معنی ہیں کہ اے خالق تجھ سے نزدیک تر کوئی چیز نہیں

دوسرے معنی دُوْنَ کے ہوتے ہیں نیچے جیسا کہ فیروزآبادی نے قاموس میں لکھا ہے: دون بالضم نقیض فوق "دُون فوق یعنی اوپر کے مقابل ہے"۔ متنبّی شاعر نے کہا ہے

بعض البریّۃ فوق بعض خالیا فاذا حضرت فکل فوق دون

(یعنی) "لوگوں میں بجائے خود بعض بعض سے اونچے ہیں مگر جب آپ سامنے آجائیں تو ہر اونچا پھر نیچا ہے"

یہاں نیچے کے معنی میں دُوْن ہی کی لفظ استعمال ہوئی ہے۔
ابوالعلاء معرّی نے کہا ہے:۔

قنعت فخلت ان النجم دونی وسیّان التقنّع والجہاد

"جب میں نے قناعت سے کام لیا تو سمجھ لیا کہ ستارۂ ثریّا مجھ سے نیچے ہے۔

ہیں ذراعین یعنی دونوں بانہیں بھی داخل ہو جائیں ۔ اس صورت
میں نعم وما دون الخمار حرف عظمت کے ساتھ کہنے کا کوئی محل نہ تھا
لیکن امام نے اس طرح نہیں فرمایا ۔ بلکہ یہ کہا کہ نعم وما دون الخمار
من الزینۃ وما دون السوارین " ہاں اور (اسکے علاوہ) وہ
جو خمار کے نیچے ہے وہ بھی زینت میں داخل ہے اور جو کنگنوں کے
نیچے ہے وہ بھی" ۔ اس "اور" کی لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کوئی
ایسا کلیہ نہیں بتا رہے ہیں جس میں ذراعین بھی داخل ہو جاتے
ہیں بلکہ ذراعین کے علاوہ وہ اور اجزائے بدن کے پردہ کا حکم
بتاتے ہیں جن کے متعلق توہم یہ ہوتا ہے کہ وہ پردہ سے خارج ہیں
اور وہ چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں جن کے متعلق اہلسنت نے یہ
سمجھ رکھا تھا کہ اُن کا پردہ لازم نہیں ہے تو حضرت نے اس شبہہ
کو دفع فرماتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ ذراعین کے علاوہ چہرہ اور ہاتھوں کا
بھی پردہ لازم ہے ۔

احادیث متعلق پردہ

جس طرح قرآن مجید سے پورے شد و مد کے ساتھ پردہ کی
تاکید ثابت ہوتی ہے اسی طرح معصومینؑ کے اقوال بھی اسکی
اہمیت کا پتہ دیتے ہیں ۔ یہاں تک کہ احادیث ہی کی بنا
پر اس صنف کا نام ہی عورت ہو گیا ہے ۔

لغۃً عورت اُس شے کو کہتے ہیں جس کا پردہ لازم ہو ۔

معنی سے چہرہ کو دون الخمار کہنا درست ہو۔ اس لیے کہ یقیناً چہرہ خمار کے پاس ہوتا ہے، خمار کے نیچے ہوتا ہے اور خمار کے پیچھے ہوتا ہے لہٰذا جس اعتبار سے بھی دیکھیے دون الخمار سے چہرہ ہی کو مراد لینا درست ہوا اور اسی لیے کلام عرب میں چہرہ کو تحت الخمار، دون الخمار بلکہ فی الخمار کہنا بھی شائع وذائع ہے - یہ اشعار اس کے قبل قرآنی آیت ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھنّ کے تحت میں بیان ہو چکے ہیں قاضی ابوعلی تنوخی نے صاف کہا ہے نور الخمار و نور خدّک تحتہ "خمار کی روشنی اور پھر اس کے نیچے تیرے رخسار کی روشنی"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ چہرہ خمار کے نیچے کہا جاتا ہے اور اب مادون الخمار کے معنی چہرہ کے سوا کیا ہو سکتے ہیں؟

الفاظ حدیث پر ایک مرتبہ اور غور کیا جائے تو سمجھ میں آئے گا کہ اگر امام کا مقصد یہ ہوتا کہ کنگنوں سے اوپر کا حصہ جو دونوں ہاتھ کے گٹوں سے اوپر ہے وہ زینت میں داخل ہے اور چہرہ کو چھوڑ کر جو سر و گردن کا حصہ ہے وہاں سے زینت کے حدود شروع ہوتے ہیں تو حضرت کو واو عاطفہ درمیان میں لانے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ جب سائل نے پوچھا کہ یا ہیں زینت میں داخل ہیں تو حضرت فرماتے نعم دون الخمار من الزینۃ وما دون السوارین۔ "ہاں خمار کے حصہ کو چھوڑ کر اور کنگنوں کو چھوڑ کر جتنا ہو وہ سب زینت میں داخل ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آپ کلیہ بتا رہے ہیں جس

ولا تدعوهنّ الی الطعام فانّ النبیؐ قال النسآء عیّ و عورۃ فاستروا عیّھنّ بالسکوت واستروا عورتھنّ بالبیوت

"عورتوں پر خود سے سلام نہ کرو اور اُنھیں دعوتوں میں مدعو نہ کرو اس لیے کہ پیغمبر نے فرمایا ہے کہ وہ ہمہ تن خاموشی اور عورت ہیں اُن کو چپ رہنا اور گھروں میں رہنا زیبا ہے۔"

کلمات علماء مفسّرین لفظ عورت کی اس تشریح پر متفق ہیں

[1] قیومی نے مصباح المنیر میں لکھا ہے: قیل للسوأۃ عورۃ لقبح النظر الیھا وکل شیئ یستّرہ الانسان انفۃ وحیاء فھو عورۃ والنسآء عورۃ "انسان کے خاص اعضائے جسم کو عورت اس لیے کہتے ہیں کہ نظر اُس کی طرف نہ چاہیے اور ہر وہ شے جس کو انسان حمیت وغیرت کی بنا پر پردہ میں رکھے وہ عورت ہے اور اسی لیے صنفِ نسواں کو عورت کہا جاتا ہے۔"

فاضل ہندی صاحب کشف اللثام نے مناہج سویہ میں لکھا ہے:

"عورت عار سے مشتق ہے۔ اسے عورت اس لیے کہتے ہیں کہ اُس کا پردہ سے باہر آنا عار و ننگ کا باعث ہوتا ہے۔"

راغب نے مفردات میں لکھا ہے:۔

العورۃ سوأۃ الانسان وذلک کنایۃ واصلھا	عورت انسان کے مخصوص اعضاء کو کہتے ہیں اور یہ نام اُس کا بطور کنایہ

[1] یہ اقوال علماء کے تمام جناب سید باقر صاحب قبلہ نے اسداد الرغاب میں درج فرمائے ہیں۔

چنانچہ مرد کے جسم میں وہ اجزا جنکا چھپانا ضروری ہے اسی نا سے یاد کیے جاتے ہیں اور ستر عورتین کہے جاتے ہیں مردیں یہ مخصوص اجزا رہیں لیکن عورت ازسرتاپا عورت قرار دی گئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ امتیازی حیثیت سے پردہ کی مستحق ہے۔ یہ حدیثیں ایک دو نہیں بلکہ استفاضہ کی حد سے متجاوز ہیں۔

(۱) کافی میں جناب امام جعفر صادق ع کا ارشاد ہے۔

اتقوا اللہ فی الضعیفین وانّما ھنّ عورۃ

"دونوں کمزور صنفوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو (ایتام اور طبقۂ زنان)

اور یہ صنف تو بس عورت ہے اس کا چھپانا لازم ہے)

(۲) امالی شیخ الطائفہ امیرالمومنین ع کی روایت ہے جناب رسالتمآب ص سے:۔

النّساء عیّ وعورات فداوو عیھنّ بالسکوت وعوراتھن بالبیوت

"صنف نازک خاموشی کا مجسمہ اور عورت ہے۔ ان کا ندارکہ یہی ہے کہ انھیں خاموش رہنے دو اور اُن کو گھروں کے اندر محفوظ رکھو

(۳) امیرالمومنین ع فرماتے ہیں لاتبدأوا النساء بالسلام

پردہ میں رکھے وہ عورت ہے اسی لیے حدیث میں طبقۂ نسواں کو عورت کہا گیا ہے کیونکہ اُن کی بے پردگی ویسی ہی باعث شرم ہے جیسے اپنے جسم کے لباس سے عورت کا ظاہر ہو جانا شرم کا باعث ہے

ایک اور حدیث میں ہے اللھم استر عورتی وآمن روعتی

"خداوندا میرے لیے عورت کو چھپا اور خوف سے مجھے محفوظ رکھ"

یہاں عورت سے مراد ہر ایسی چیز ہے جس کا ظاہر ہونا انسان کے لیے باعث خجالت و رنج ہو اور جس پر نظر کرنا وہ پسند نہ کرتا ہو،

صحیفۂ کاملہ میں فقرہ ہے فاجعل ما سترت من العورۃ،

اس کی شرح میں سید علی خاں مدنی نے بھی یہی لکھا ہے کہ عورت ہر وہ چیز ہے جس کا پردہ سے باہر آنا باعث شرم ہے اور یہ عار سے مشتق ہے

اسلامی احادیث کی بنا پر اس طبقہ نسوانی کیلیے عورت کی لفظ کا بطور لقب زبان زد خلائق ہو جانا اس طرح کہ تقریباً ہماری اردو میں تو اس صنف کے لیے کوئی دوسرا نام اس کے سوا معلوم ہی نہیں ہوتا یہ اس طبقہ کے لیے اسلامی تعلیم پردہ کی موجودگی کے ثبوت کے لیے ایک عظیم الشان تواتر کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں شک و شبہ کی ذرہ بھر گنجائش نظر نہیں آتی۔

(۴) قطب راوندی کی کتاب نوادر میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی روایت ہے اپنے آبائے کرام کے سلسلہ سے کہ رسالتمآبؐ نے اپنے اصحاب سے دریافت کیا صنف زنان کے متعلق کہ وہ

من العار وذلك لما يلحق من ظهوره من العار اى المذمة ولذلك سمى النساء عورة ومن ذلك العوراء للكلمة القبيحة

ہے اصل میں یہ عار سے مشتق ہے چونکہ اس کا کھلنا انسان کے لیے عار یعنی ندامت کا باعث ہوتا ہے اسی لیے صنفِ نازک کا نام عورت ہوا اور اسی وجہ سے بری لفظ کو عوراء کہا جاتا ہے کہ اُسے زبان سے ظاہر نہ ہونا چاہیے ۔

ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے :-

ومنه الحديث المرأة عورة جعلها فى نفسها عورة لانها اذا ظهرت يستحيى منها كما يستحيى من العورة اذا ظهرت ۔

حدیث میں ہے کہ صنف نازک عورت ہے اُسے ہمہ تن عورت کہا گیا ہے اس لیے کہ اُس کی بے پردگی سے اُسی طرح حیا وخجالت دامنگیر ہوتی ہے جیسا جسم انسان کے اُن اعضاء کے ظاہر ہونے سے جو عورت ہیں

سے جو عورت ہیں ۔

علامہ طریحی نے مجمع البحرین میں اس کو زیادہ تشریح کیساتھ لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں حدیث میں ہے من تتبع عورة اخيه المسلم "یعنی جو اپنے برادر مسلمان کی عورت کا پیچھا کرے یعنی اُس کے اُن اقوال وافعال کی جستجو کرے جنہیں اللہ نے پردہ میں رکھا ہے۔ انسان کے مخصوص اعضائے جسم کو بھی عورت اسی لیے کہتے ہیں کہ اُنکی طرف نظر قبیح ہے اور جس شے کو انسان حمیت وغیرت کے سبب سے

میں سختی کا ہونا ان کے لیے باعث بہتری ہی ہے اور آنکے گھروں سے نکلنے سے کم ضرر نہیں ہے ایسے اشخاص کا گھروں میں آنے دینا جن پر تمھیں بھروسا نہیں ہے اور اگر ایسا کر سکو کہ تمھاری عورتیں تمھارے سوا کسی کو پہچانتی ہی نہ ہوں تو ایسا ہی کرنا چاہیے "

صدوق رحمہ اللہ نے اس وصیت کو محمد بن حنفیہ کے نام بتایا ہے - کافی میں اُسے ان الفاظ میں نقل کیا ہے :-

واغضض بصرها بسترك واكففها بحجابك

" پردہ داری کے ذریعہ سے اُن کی نگاہوں کو دوسروں پر پڑنے سے روکو اور دوسروں کی نگاہوں سے اُن کو بچاؤ "

اسی پردہ داری کی بنا پر عورتوں کو عام مجمعوں میں جانے کی اجازت دینے سے مردوں کو سزائے اخروی کا مستوجب قرار دیا گیا ہے - چنانچہ کافی کی روایت ہے جسے بحار و وسائل میں بھی درج کیا ہے - جناب رسالتمآب نے فرمایا :-

من اطاع امرأة اكبه الله على وجهه في النار

" جو عورت کا کہنا مانے اللہ اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دے گا " پوچھا گیا یہ اطاعت کیا ہے ؟ حضرت نے فرمایا :-

تطلب اليه الذهاب الى الحمامات والعرسات و العيدات والنائحات والثياب الرقاق فيجيبها .

" وہ مرد سے خواہش کرے حماموں میں ، شادیوں کی عام محفل

کیا ہیں سب نے کہا کہ وہ عورت ہیں ۔ حضرت نے فرمایا اچھا پھر بتاؤ
کہ وہ سب سے زیادہ اپنے رب سے قریب کس طرح ہو سکتی ہے ۔
اس کا جواب لوگوں نے کچھ نہیں دیا ۔ جب حضرت فاطمہ زہرا کو
خبر ہوئی تو کہا :۔

ادنیٰ ما تکون من ربھا ان تلزم قعر بیتھا
" سب سے زیادہ اللہ سے تقرب کا ذریعہ اُس کے لیے یہ
ہو کہ پابندی سے اپنے گھر کے اندر رہے "
حضرت یہ جواب سنکر خوش ہو گئے اور فرمایا فاطمۃ بضعۃ
منّی " کیوں نہ ہو فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے "
اس کے علاوہ کچھ احادیث ہیں جن میں صاف صاف حکم دیا
گیا ہے کہ عورتوں کو پردہ میں رکھنا چاہیے جیسے امیر المومنینؑ کی وصیت
اپنے فرزند حضرت امام حسنؑ سے جو نہج البلاغہ باب الکتب میں
مذکور ہے اور جسے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ایک مکمل
دستور العمل کی حیثیت حاصل ہے اُس میں ارشاد ہوتا ہے :۔

فاکفف علیھن من ابصارھن بحجابک لھن
فان شدۃ الحجاب ابقی علیھنّ ولیس خروجھنّ باشد
من ادخالک من لا یوثق بہ علیھنّ وان استطعت ان
لا یعرفن غیرک فافعل " عورتوں کو بچائے رکھو اس بات
سے کہ اُن پر نظر پڑے پردہ میں رکھنے کے ساتھ اُن کو کیونکہ پردہ

" آخری دور زمانہ اور قیامت کے نزدیک اوقات میں جو بدترین زمانہ ہوگا عورتیں پیدا ہونگی بے پردہ برہنہ بن ٹھن کر نکلنے والی دین سے خارج ہنگاموں میں حصہ لینے والی اور نفسانی خواہشوں کی طرف رغبت رکھنے والی وہ آتش جہنم میں ہمیشہ جلنے کی مستحق ہونگی۔"

ظاہر ہے کہ متبرجات یعنی بن ٹھن کر اور آراستہ ہو کر نکلنے کے ساتھ عاریات کے معنی بالکل برہنہ کے سمجھ میں نہیں آتے بلکہ اس سے مراد وہی نیم برہنگی ہے جو آج تمدن جدید کا طرۂ امتیاز ہے جس میں اس تمدن کی ترقی کے ساتھ مزید ترقی کے امکانات ہیں۔

ان احادیث سے صاف شرع کے رجحان کا پتہ چلتا ہے جبکہ اسلام کے قبل پردہ کا وجود کم از کم مالدار، کم از کم شرفاء کم از کم بڑے گھرانوں میں ثابت ہو چکا ہے تو اگر اسلام جو کہ اصلاح خلق کا علمبردار ہو کر آیا ہے اگر پردہ کو ناپسند کرتا ہوتا تو پردہ کی مخالفت میں آواز بلند کرتا ہوتا اور اس کے نزدیک بدترین زمانہ کا معیار یہ ہوتا کہ جب مردوں کا تشدد عورتوں پر بڑھ جائے اور عورتوں کو گھروں میں مقفل کر کے رکھا جائے تو وہ بدترین زمانہ ہوگا مگر اس کے برعکس اسلام بدترین زمانہ کا معیار عورتوں کی آزادی، بے پردگی اور مطلق العنانی کو قرار دیتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس رسم پردہ کی جو کہ ایک طبقہ میں

میں عیدگاہوں میں جانے اور باریک کپڑوں کے پہننے کی اور یہ اُس کی خواہش کو منظور کرے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ من اطاع امرأة فی اربعة اشیاء اکبه الله علی منخریه فی النار

"جو عورت کا کہنا مانے چار باتوں میں اُسے اللہ منہ کے بھل جہنم میں ڈالیگا۔"

ایسی ہی حدیث ثواب الاعمال میں بھی درج ہے۔

اس پردہ داری کا اتنا اہتمام کیا گیا کہ زرخرید غلاموں تک کے سامنے آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اور خواجہ سراؤں تک سے پردہ کا حکم دیا گیا۔

اور آخر زمانہ یعنی قیامت کے قریب کے علامات میں بے پردگی کی ترقی کی پیشین گوئی کی گئی جس سے صاف یہ پتہ چلا کہ پسندیدۂ اسلام پردہ داری کی ترقی ہے چنانچہ شیخ صدوق ابن بابویہ قمی طاب ثراہ نے من لا یحضر میں اصبغ بن نباتہ کی زبانی روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا

یظهر فی اخر الزمان واقتراب الساعة وهو شر الازمنة نسوة کاشفات عاریات متبرجات خارجات من الدین داخلات فی الفتن مائلات الی الشهوات مسرعات الی اللذات مستحلات للمحرمات فی جهنم خالدات

غلامی یک لخت ختم نہیں کی جا سکتی تھی تو اس کے لیے آزادی کی
ترغیب میں اہتمام اور ذرا سے بہانہ پر غلاموں کے آزاد کرنے
پر عمل اور غلامی کی حالت میں اُن کے ساتھ مساویانہ برتاؤ
کی پابندی اور وصیت ایسی چیزیں ہیں جو صاف ایسے رجحان
کا پتہ دے رہی ہیں کہ اسلام کا اصلی مطمح نظر کیا ہے۔

پھر اسی طرح اگر پردہ کو ختم نہ بھی کیا ہوتا تو اُس کے
متفرق تعلیمات اور عملی مثالوں میں وہ روح ضرور مضمر ملتی جو
اس کی گرفت کے ڈھیلا کرنے کا اشارہ کرتی رہتی لیکن اس کے
برخلاف اگر ہم یہ دیکھیں کہ جتنا عوام کو پردہ کا حکم دیا گیا ہو اُس
سے زیادہ شدت اور قوت کے ساتھ اس کی پابندی خاندانِ
رسالت میں کی جا رہی ہے اور جتنی اہمیت دوسروں کی نگاہ
بلکہ تصور میں نہیں آسکتی اتنی اہمیت یہاں عمل میں لا کر اپنے
طریقہ اور اصول زندگی سے پیش کی جا رہی ہے تو اس سے صاف
طور پر ظاہر ہو جائیگا کہ اسلام کا نصب العین کسی وقت اور
کسی حال میں بھی پردہ کا ختم کرنا نہیں ہے بلکہ باعتبار ضرورت
حالات اُس میں اضافہ ہی اسلام کی بنیادی روح تعلیم کے
مطابق ہے۔

تاریخ اور حدیث کا مطالعہ بتاتا ہے کہ زمانہ پیغمبر میں پردہ
بحیثیت قانون کے عملی طور پر جاری ہو گیا تھا اور محرم اور نامحرم کی

پہلے سے قائم تھی مخالفت کا حامی نہیں ہے بلکہ اُس کی مزید ہمت افزائی کرکے اُس کے خلاف امکانات کا سدباب کرنا چاہتا ہے اور یہ اسلام کی جانب سے پردہ کی حمایت کی قطعی دلیل ہے۔

خاندانِ رسولؐ کا اسوۂ حسنہ اور مسلمانوں کا عمل درآمد

یہ ظاہر ہے کہ اسلام کی انفرادی اور اجتماعی۔منزلی اور مدنی تعلیمات کا مثالی معیار رسولؐ و آلِ رسولؐ کا اسوۂ حسنہ ہو سکتا ہے۔قرآن کریم نے اس کو بطور مثال پیش بھی کیا (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ)

اور بحیثیت معلم پیغمبر کی بلندی کا جوہر یہ تھا کہ جن اصول پر اپنی تعلیم کی بنیاد قائم رکھنا تھی اور جن کی طرف دوسروں کو دعوت دینا تھی خود مقام عمل میں اُن اصول کے پابند تھے اور اس طرح پیغمبر اور اُن کے گھرانے کے عمل سے اُس نقطۂ نظر کا بآسانی پتہ چلایا جا سکتا ہے جو اسلام کے پیش نظر ہے۔

اگر یہ خیال صحیح ہوتا کہ اسلام عورتوں کو آزادی بایں معنی دینا چاہتا ہے کہ پردہ کی پابندیوں سے وہ باہر لائی جائیں تو چاہیے تھا کہ اس کا عملی اقدام خود رسول کی جانب سے ہوتا نہ سہی ایک دم۔اگر حالات اس کی اجازت نہ دیتے تو کم از کم بہ نسبت عام رواج کے وہاں خفت اختیار کی جاتی۔جیسے

طبرسی رحمہ اللہ جوامع الجامع میں فرماتے ہیں کہ اس حکم میں اتنی ہمہ گیر عمومیت تھی کہ باپ، بھائی اور اقارب تک کو خیال پیدا ہوا کہ ہمیں بھی پس پردہ سے گفتگو کرنا ضروری ہے اور رسالتمآبؐ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آیت اتری:۔

لاجناح علیھن فی ابآئھن ولا ابنائھن ولا اخوانھن ولا ابناء اخوانھن ولا ابناء اخواتھن ولا نسائھن ولا ماملکت ایمانھن واتقین اللہ ان اللہ علی کل شیئ شھید

"ان کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے اپنے باپ، بیٹوں، بھائیوں بھتیجوں اور بھانجوں اور مسلمان عورتوں اور اپنی کنیزوں کے بارے میں۔ ہاں تقویٰ کو اپنا شعار رکھیں اللہ ہر بات سے واقف ہے"۔

اس آیت میں محارم کا تذکرہ کیا گیا اور اس کے بعد سب کو اطمینان ہوا۔

ازواج رسول عملاً اس قانون کی پابند تھیں۔ اس کے شواہد و نظائر تاریخوں میں بکثرت ہیں:۔

عائشہ ام المومنین کی روایت ہے (ایک واقعہ کے بیان میں)

انی لفی بیت رسول اللہ	میں حضرت رسولؐ کے گھر میں تھی اور
واصحابہ بالفناء وبینی	آپ کے اصحاب صحن خانہ میں تھے اور
وبینھم الستر فاقبل	میرے اور اُن کے درمیان پردہ پڑا
ابوبکر	ہوا تھا اس دوران میں ابوبکر

تفریق کے ساتھ عمومی طور پر حجاب مسلمان عورتوں کے نظام زندگی کا جزو بنا دیا گیا تھا - بلکہ پردہ کی اہمیت ایسی تھی کہ مشتبہ صورتوں میں اگرچہ ظاہر شرع میں میراث دلوا دی گئی مگر محرم قرار دے کر سامنے آنے کی اجازت نہیں دی - ملاحظہ ہو زینب اسدیہ کی روایت جب انھوں نے رسول اللہ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا تو انھوں نے ایک کنیز چھوڑی جس کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کنیز کے چال چلن کو ہمیشہ ہم لوگ مشکوک نگاہوں سے دیکھتے رہے تھے - حضرت نے فرمایا اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ - وہ لایا گیا - حضرت نے اسے دیکھا اور فرمایا میراث میں اسے حصہ تو دید یا جاے مگر تم اس سے پردہ کرنا

(استیعاب مطبوعہ حیدرآباد ج ۲ ص ۷۵۶)

رسول کے گھر کے لیے اس بارے میں زیادہ خصوصیت حاصل تھی - آپ کے ازداج کے لیے عمومی طور پر پردہ کے احکام کے علاوہ خصوصی احکام بھی تھے اور قرآن کریم نے عمومی طور سے ان کے لیے حجاب کا قانون نافذ کیا واذا سألتموهنّ متاعًا فاسألوهنّ من وراء حجاب ذلکم اطهر لقلوبکم وقلوبهنّ

" جب ازواج پیغمبر سے تمھیں کچھ مانگنا ہوا کرے تو ان سے پردہ کے پیچھے سے مانگا کرو - یہ تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ بہتر ہے "

اصول کافی میں جناب امام جعفر صادقؑ کی حدیث ہے کہ ابن ام مکتوم جو نابینا تھے رسولؐ کے بیت الشرف میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کے پاس عائشہ اور حفصہ دو بی بیاں حاضر تھیں۔ حضرت نے فرمایا جاؤ کمرہ کے اندر چلی جاؤ۔ بی بیوں نے کہا وہ تو نابینا ہے۔ حضرت نے فرمایا وہ تمھیں نہیں دیکھ سکتا۔ تم تو اُسے دیکھ سکو گی۔

مکارم الاخلاق طبرسی کی روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہ اور میمونہ دونوں بی بیاں تھیں۔ حضرت نے فرمایا پردہ میں چلی جاؤ۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ وہ تو اندھے ہیں نہیں دیکھ سکتے۔ حضرت نے فرمایا تم تو اندھی نہیں ہو تم تو دیکھو گی۔

کتب حدیث میں آپ کو حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ملے گی کہ احسنکم خیرکم لنسائہ وانا خیرکم لنسائہ۔ "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لیے سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہے اور میں اپنی ازواج کے ساتھ تم سب سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا شخص ہوں۔"

اس کے بعد اگر پردہ ظلم ہوتا یا توہین و تذلیل تو کبھی رسول اپنے ازواج کے لیے اسے پسند نہ فرماتے۔

اسی بناء پر طبقہ خواتین کے لیے رسول کے تعلیمات کی مکمل آئینہ بردار حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سیرت پردہ کے

(استیعاب ج ۱ مطبوعہ حیدرآباد ص ۳۴۱) وارد ہوئے۔

دوسری روایت جو صحیح بخاری میں بھی ہے انہی ام المومنین کی زبانی کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ (برادر ام المومنین سودہ) کے درمیان ایک لڑکے کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ سعد نے کہا یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا لڑکا ہے، اُس نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ میرے نطفہ سے ہے اور اسکی صورت دیکھیے اُسی سے مشابہ ہے۔ اور عبد بن زمعہ نے کہا یہ میرا بھائی ہے اس لیے کہ اس کی ماں میرے باپ کی زوجیت میں تھی۔ حضرت نے اُسے دیکھا تو صاف صاف عتبہ سے مشابہ نظر آیا پھر بھی آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اُسے عبد بن زمعہ اپنے ساتھ لے جائے کیونکہ الولد للفراش وللعاھر الحجر یعنی "لڑکے کو اُسی کا سمجھا جانا چاہیے جو اُس عورت کا شوہر ہو اور زانی کا کوئی حق نہیں ہے" مگر سودہ بنت زمعہ کو حکم دیا کہ تم اس سے پردہ کرو۔ اس کے بعد سے کبھی اُس نے سودہ کو نہیں دیکھا

(اللمعات الفریدہ مطبوعہ بغداد ص ۹۰)

زہری کی روایت ہے کہ جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بنی مصطلق کے قیدیوں میں سے اسیر ہو کر آئیں تو حضرت نے انھیں اپنی زوجیت میں داخل فرمایا اور پردہ کا حکم دیا۔

(استیعاب ج ۲ ص ۷۳۲)

اموال کی حفاظت اور اولاد کی تربیت ہم کرتے ہیں۔ اس
صورت میں ہمیں آپ سے یا رسول اللہ صرف یہ دریافت
کرنا ہے کہ کیا اجر و ثواب میں مردوں کے ساتھ ہمارا بھی کوئی
حصہ ہے یا مرد ہی سب ثواب کے حقدار ہیں۔
رسالت مآبؐ نے یہ تقریر سن کر اپنے اصحاب کی طرف
دیکھا اور فرمایا تم نے کبھی کسی عورت کی گفتگو سنی ہے جس
نے اپنے دینی فرائض کے متعلق اس سے بہتر سوال کیا ہو
صحابہ نے کہا بخدا یا رسول اللہ اس میں کوئی شک نہیں۔
اب رسولؐ اس خاتون کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا
جاؤ! اے اسماء اور اپنی پوری جماعت کو اطلاع دیدو کہ تم
میں سے ایک عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ اچھے عنوان سے
نباہ کرنا اور اس کی رضامندی کی کوشش کرتے رہنا اور
اس کی اطاعت کرنا ثواب میں ان تمام عبادتوں کا قائم مقام
ہے جن کا مردوں کے لیے تم نے ذکر کیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ
عورت واپس ہوئی اس طرح کہ تکبیر و تہلیل کرتی جا رہی تھی
اور جوش مسرت کا اظہار کر رہی تھی۔ استیعاب ج ۲ ص۷۲۶)
اپنے ذاتی خیالات کو علیحدہ رکھ کر صبر و سکون کے ساتھ
اس گفتگو پر غور کیجیے تو آپ بھی میری طرح اس نتیجہ تک پہونچیں گے
اگر تمدن اسلامی میں کوئی بھی گنجائش ہوتی عورت کو پردہ

بارے میں ایک مکمل ترین معیاری درجہ رکھتی تھی۔ آپ کا قول تھا کہ عورت کے لیے بہترین صفت یہ ہے کہ نہ کسی غیر مرد کی نظر اُس پر پڑے اور نہ اُس کی کسی غیر مرد پر نگاہ پڑے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ پیغمبر کے زمانہ میں یہ چیز مسلّمات سے ہوگئی تھی کہ عورت کا نظام تمدّن مرد سے جدا ہے اور وہ پردہ کی پابندیوں کی وجہ سے اُن بہت سے فرائض اسلامی اور عبادات تک میں شریک نہیں ہو سکتی جن کے لیے گھر سے باہر آنے کی ضرورت ہے۔

اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے جب حج کے بعد جماعت انصار کی ایک محترم خاتون اسماء بنت یزید بن سکن پیغمبر کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ مجھے مسلمان عورتوں نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے اور جو کچھ میں کہتی ہوں وہ ان سب کی تقریر اور اُن کی رائے ہے۔ اللہ نے آپ کو مرد اور عورت سب کی طرف مبعوث کیا ہے۔ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کا اتباع کیا مگر ہم عورتیں پردوں میں گرفتار گھروں کی بیٹھنے والیاں، مردوں کی خواہشوں کی پابند اور اُن کے بچوں کے بار کو برداشت کرنے کی ذمہ دار ہیں اور مردوں کو نماز جمعہ و جماعت، تشیع جنازہ۔ جہاد وغیرہ کے ثواب حاصل کرنے کے مواقع ہیں اور جب وہ جہاد کو جاتے ہیں تو اُن کے

میں اتنی مسلّم ہوگئی تھی کہ اگر کوئی اُس کے خلاف عمل کرتا تو اُس پر اعتراض کیا جاتا اور اُسے اپنے طرزِ عمل کی تاویل پیش کرنا پڑتی تھی۔ چنانچہ سہل بن ابی خثمہ کا بیان ہے کہ میں محمد بن مسلمہ کے پاس بیٹھا تھا اس اثنا میں اُن کے ایک ہمسایہ مکان سے ثبیتہ بنت ضحاک برآمد ہوئی۔ وہ نظر اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھنے لگے تو میں نے کہا ماشاءاللہ تم صحابی رسولؐ ہوکر ایسا کرتے ہو؟ اُنھوں نے کہا میں پیغمبرؐ کا یہ ارشاد سُن چکا ہوں کہ اگر دل میں کسی کی خواستگاری کا سوال پیدا ہو تو اُس کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ (استیعاب ج ۲ صہ ۱۲۴)

رسولؐ کے بعد خواتین اسلام میں اور بالخصوص خاندانِ رسولؐ کی خواتین میں بہ تعلیم قرآن جلباب یعنی سر سے پاؤں تک کے برقعہ کا رواج ہوگیا تھا جس سے چہرہ بھی بالکل چھپا ہوا رہتا تھا اور کسی ایک حصّہ جسم پر بھی کسی کی نظر پڑنا ممکن نہ تھی۔ اس کے شواہد جستہ جستہ تاریخ اسلامی کے واقعات میں موجود ملتے ہیں مثلاً اُس وقت جب امیرالمومنینؑ جنگ جمل کے لیے تشریف لیے جارہے تھے (وہ منزل ذی قار میں اترے) تو ام المومنین عائشہ نے بصرہ سے حفصہ کے پاس ایک خط بھیجا جس میں اپنی فوجی طاقت و قوت اور معاذاللہ جناب امیرؑ کے مرعوب و خائف ہونے کا ذکر تھا۔ حفصہ نے اُس پر ایک

سے باہر لائے اور مردوں کے دوش بدوش ہر شعبۂ حیات میں حصہ لینے کی تو رسولؐ کو اُس کے جواب میں ان امکانات کی طرف ضرور اشارہ فرمانا چاہیے تھا۔

اس کے برخلاف اُس نے مرد اور عورت کے نظام تمدن کے بالکل مختلف ہوتے اور طبقہ خواتین کی آئینی و اصولی مجبوریوں کا جو خاکہ کھینچا تھا اُس میں آپ نے اُس کی سمجھ کی تعریف فرمائی اور اُن تمام مجبوریوں کو ایک طرح تسلیم کرلیا اور اُس پر مہر تصدیق ثبت فرما دی کہ بیشک عورتیں پردہ کی مجبوری کی وجہ سے نماز جمعہ و جماعت میں نہیں شریک ہو سکتیں تشییع جنازہ کی فضیلت کو نہیں حاصل کر سکتیں اور جہاد کے مراتب پر فائز نہیں ہو سکتیں۔ ہاں اس کے ساتھ آپ نے اُسے یہ کہہ کر تسکین دی کہ عورتوں کا اپنے نظام تمدن کا پابند رہنا ہی درحقیقت اُن کا جہاد ہے اور اس سے ان کو وہی اجر و ثواب مل جائیگا جو مردوں کو اپنی قسم کے جہاد سے ملتا ہے۔

اس کے بعد تو کوئی موقع نہیں یہ کہنے کا کہ اسلام میں پردہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے یا وہ مردوں کے دوش بدوش عورتوں کو میدان عمل میں لانے کا حامی ہے۔

زن اجنبیہ کی طرف نظر کرنے کی حرمت صحابۂ رسولؐ

ہو اُسی طرح عورتوں کا فریضہ ہے مگر طریقہ کار اس کا دونوں کے لیے یکساں ہونا چاہیے یا مختلف ؟

موجودہ تمدن جو عورتوں کو پردہ وغیرہ کی پابندیوں سے آزاد کرنا چاہتا ہے اُس کا جواب یہ ہونا چاہیے کہ طریق کار دونوں کا ایک ہی ۔ جس صورت سے مرد نصرتِ حق کے لیے میدان میں آتا ہے اُسی طرح عورت کو بھی آنا چاہیے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ مردوں کی تعداد اتنی نہ ہو کہ وہ ظالم کی مادّی قوت کا خاتمہ کرسکیں ۔ اور خصوصاً اُس حالت میں جب مرد اپنا کام انجام دے کر گزر چکے ہوں اور اب سوائے عورتوں کے کوئی باقی نہ ہو ۔ ایسی حالت میں تو مرد و عورت کے درمیان کوئی خط فاصل کھینچنا موجودہ خیالات کے لحاظ سے صحیح ہی نہ ہوگا مگر یہ ایک حقیقت ثابتہ اور ناقابل انکار واقعہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے جو اپنے وقت میں اسلامی اقدار و مراتب کے تحفظ کے واحد ذمہ دار تھے کربلا کے میدان میں پردہ اور مخصوص نسوانی نظام تمدن کی وہ اہمیت ثابت کی ہے جو اس کے پہلے وہم و خیال میں بھی نہیں تھی ۔

آپ دیکھیے تو کہ ایک طرف کم از کم تیس ہزار کا لشکر اور ایک طرف زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو کے قریب مجاہدین جن میں ضعیف العمر بوڑھے بھی اور صغیر السن بچے بھی داخل ۔

جشن مسرت منعقد کیا۔ مدینہ کی عورتیں آرہی تھیں اور خوشیاں کی جارہی تھیں۔ یہ واقعہ حضرت ام کلثوم دختر امیر المومنینؑ کو معلوم ہوا فلبست جلابیبها و دخلت علیهنّ فی نسوۃ متنکرات ثم اسفرت عن وجهها فلما عرفتها حفصۃ خجلت و استرجعت

جناب ام کلثوم نے برقع و چادر میں اپنے کو نہاں کیا اور کچھ عورتوں کے حلقہ میں حفصہ کے مکان پر پہونچکر برقع چہرہ سے ہٹایا۔ جب حفصہ نے پہچانا تو وہ شرمندہ ہوئیں اور آپ کی گفتگو سے متاثر ہو کر اس خط کو چاک کر ڈالا۔ (الدرجات الرفیعہ سید علی خاں مدنی)

یہ ۳۶ھ کا تذکرہ ہے ۶۱ھ میں کربلا کا عظیم الشان واقعہ رونما ہوتا ہے جس میں حضرت امام حسینؑ نے جس طرح تمام اسلامی تعلیمات کی اہمیت دنیا کو سمجھائی اسی طرح پردہ کے اصول اور عورتوں کے اسلامی نظام تمدن کی وہ مستحکم بنیاد قائم کردی جسے شکوک و توہمات کی آندھیاں متزلزل نہیں کرسکتیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ کربلا میں حق و باطل کی جنگ تھی۔ نصرت دین کا سوال تھا اور دشمنان اسلام کا مقابلہ تھا۔ کوئی شک نہیں کہ حمایت حق اور نصرت دین جس طرح مردوں کا فریضہ

ہیں مصروف جہاد ہے، کوئی کمسن بچہ معرکۂ قربانی میں حق وفا ادا کر رہا ہے، کوئی جان سے زیادہ عزیز بھائی نرغہ میں گھرا ہوا ہے اور اُس وقت ماتا رکھنے والی ماں اور دل و جان سے فدا ہونے والی بہن پردہ کی پابندی کے ساتھ خیمہ کے اندر بیٹھی ہوئی ہے مگر واقعہ یہی تھا۔

یاد کیجیے وہ سخت ترین موقع کہ جب تمام عزیز و انصار شہید ہو چکے تھے۔ اکیلے امام نرغۂ اعدا میں گھرے ہوئے زخموں سے چور اور آخر میں بجائے پشت فرس کے زمین گرم پر افتادہ تھے اور دشمن چاروں طرف سے گھیرے ہوئے سر کو قلم کرنے کے لیے بڑھ رہے تھے۔ کیا اگر اُس وقت خاندان بنی ہاشم کی تمام خواتین تلواریں لے کر فوجِ دشمن پر ٹوٹ پڑتیں اور امام حسینؑ کو اپنے حلقہ میں لے لیتیں تو سرِ حسینؑ آسانی سے قلم ہو جاتا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اُس وقت کربلا کی تاریخ کس صورت پر لکھی گئی ہوتی۔ مگر ایسا نہیں کیا۔ کیوں؟

کیا زینب و ام کلثوم کی رگ و پے میں وہی خون گردش نہیں کر رہا تھا جو ابو الفضل العباس بلکہ خود حسینؑ کی رگ و پے میں گردش کر رہا تھا۔

کیا حضرت علی بن ابیطالبؑ کی شجاعت و جرأت میں

بوڑھے جہاد بالسیف سے مستثنیٰ نہیں رہے قاسم کے ایسے نابالغ بچے مستثنیٰ نہیں رہے مگر عورتیں جہاد بالسیف سے اس سخت وقت پر بھی مستثنیٰ رکھی گئیں ۔ کوئی بہادر عورت جیسے ام وہب زوجۂ عبداللہ بن عمیر عمود لے کر میدان میں آبھی گئی تو امام حسین علیہ السلام نے یہی کہہ کے واپس فرمایا کہ عورتوں پر سے جہاد ساقط ہے ۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت زینب الکبریٰ اور ام کلثوم میں جرأت وشجاعت کا جوہر ام وہب سے کم تھا ۔ مگر کوئی ضعیف سے ضعیف روایت ایسا نہیں بتاتی کہ ان میں سے کسی مقدس خاتون نے اس طرح کا اقدام کیا ہو، کیوں ؟ اس لیے کہ نظام اسلامی جو عورت کے بارے وہ ان کے دل و دماغ میں راسخ تھا یہ ایسا ارادہ کر ہی نہیں سکتی تھیں ۔ زینب و ام کلثوم کا کیا ذکر جو رسول کے گھرانے کی بیٹیاں تھیں ۔ ام لیلیٰ، رباب اور مادر قاسم ایسی خواتین نے بھی جو صرف اس خاندان کے ساتھ بہو ہونے کا رشتہ رکھتی تھیں قدم آگے نہیں بڑھایا ۔ اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ معاذ اللہ ان کے دل میں نصرت اسلام کا ولولہ اور جوش نہ تھا ضرور تھا مگر یہ سمجھتی تھیں کہ ہمارے لیے اسلامی نظام تمدن میں ایسا کرنا روا نہیں ہے ۔

بڑے سخت مواقع تھے وہ جب کوئی کڑیل جوان میدان

امن العدل یا ابن الطلقاء تخدیرك حرائرك واماءك و سوقك بنات رسول الله صلی الله علیہ والہ سبایا قد هتكت ستورهن وابدیت وجوههن یتصفح وجوههن القریب و البعید والدنی والشریف

"کیا یہی انصاف ہے کہ تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردہ میں بٹھا رکھا ہے اور دختران پیغمبر خدا کو قید کر کے بے پردہ پھرایا۔ اور چہروں کو بے نقاب کیا ہے غضب ہے کہ نزدیک و دور کے لوگ اور پست و بلند ہر طرح کے آدمی ان کے چہروں پر نظر ڈالتے ہیں"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ثانی زہرا حضرت زینب کبریٰ اپنی سب سے بڑی مصیبت اس بے پردگی کو سمجھتی تھیں اور اس کا خصوصی طور پر آپ نے تذکرہ فرمایا۔

آل رسول کے اس اہتمام کا نتیجہ یہ تھا کہ پردہ کا قانون تمام مسلمانوں میں مسلّم رہا اور بعد کی صدیوں میں برابر اس پر عمل ہوتا رہا۔

چوتھی صدی ہجری تک میں پردہ نہ صرف غریب اور متوسط طبقہ میں رائج تھا جو عموماً مذہب کے زیادہ پابند ہوتے ہیں بلکہ امراء و اہل دولت میں بھی اس کا رواج عام تھا اور وہ معیار شرافت سمجھا جاتا تھا۔

بیٹیوں کا کچھ بھی حصہ نہیں تھا - نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے -
مگر کیا تھا؟ وہی جان، بھائی اور اولاد سب سے
زیادہ عزیز اصول اسلام کا لحاظ جو زنجیرں کے ان دردرسیدہ
بے کس بی بیوں کو آخر تک جکڑے رہا -
سب کچھ ہو گیا مگر وہ اُسی جگہ بیٹھی رہیں کہ جہاں
حضرت امام حسینؑ بٹھا گئے تھے اُس وقت تک کہ جب تک
وہ جگہ یعنی خیمے باقی رہے - ہاں جب خیموں میں آگ کے شعلے
بلند تھے اور ظالموں کے ہاتھ سروں کی چادروں ہی کو نشانۂ
ظلم بنائے ہوئے تھے تو ناموس اسلام کی خاطر ظاہری عزت
ناموس کی قربانی کے سوال کو عملی طور پر حل کرنے کی ضرورت
تھی جس میں اُن کے قدم پیچھے نہیں رہے -
اب اس وقت انھیں بھائی بیٹوں اور عزیزوں کے
تمام داغوں سے بڑھ کر داغ جو تھا وہ بے پردگی کا داغ تھا
اور جب درد دل کے اظہار کا وقت آیا تو تمام مصائب میں
شدت وقوت کے ساتھ اسی مصیبت کا اظہار کیا گیا - اُس
موقع پر جب ثانی زہرا حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو دربار
میں خطبہ پڑھنے کی ضرورت پیش آئی تو یہ یادگار زمانہ الفاظ
تاریخی دنیا میں پردہ کی اہمیت کا ابدی ثبوت بن کر آپ
کی زبان پر آرہے تھے :-

اس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ میں رہنا اُس وقت
عورت کی ذلت نہیں بلکہ عزت کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔"
چھٹی صدی ہجری میں شاہان روزگار کی عورتیں اور
ملکہ آفاق بننے والی خواتین تک سختی سے پردہ کی پابند تھیں۔
ابن جبیر نے سفرنامہ میں اپنے سفر حج کا تذکرہ کرتے
ہوئے سلجوقہ نامی ایک شاہزادی کا حال لکھا ہے جس کے باپ
عزالدین مسعود کے حدود مملکت اُس وقت کی چار مہینہ کی راہ
کے رقبہ میں تھے اور جسے بادشاہ قسطنطنیہ جزیہ ادا کرتا تھا۔ وہ
ہودج میں بیٹھی ہوئی تھی جس پر طلا کار پردے آویزاں تھے
اور ہودج کے آگے اور پیچھے دروازے کھلے ہوئے تھے وھی
ظاھرۃ فی وسط منتقبۃ وعصابۃ ذھب علی راسھا
وہ اُس ہودج کے بیچ میں بیٹھی ہوئی سب کو نظر آتی تھی مگر
چہرہ پر نقاب پڑی تھی اور ایک طلا کار رومال نقاب کے
اوپر سے اُس کے سر پر بندھا ہوا تھا
معلوم ہوا کہ اُس زمانہ میں پردہ کی اتنی پابندی تھی کہ
سفر کے عالم میں اور سواری پر بھی جبکہ آج کل کی بعض پردہ
دار خواتین بھی پردہ ضروری نہیں سمجھتیں اور اپنے شہر کے
اسٹیشن سے ریل کے چلتے ہی وہ پھر برقعہ اُتار دیتی یا کم از کم
نقاب اُلٹ دیتی ہیں اور بعض ہمارے والیان ملک کی بیویاں

اس کا پتہ ابو الفراس حمدانی کے اشعار سے چلتا ہے،
جو خود خاندان ملوک سے اور اُس وقت کے بلند طبقہ کے
تمدنی رحجانات کا ترجمان ہے -

وہ کبھی یوں کہتا ہے :-

وما انس لا انس یوم المغار   محجبۃ لفظتہ الحجب

"مجھے وہ دن نہیں بھولتا جب ہنگامہ جنگ میں پردہ دار
عورت کو پردہ سے باہر نکلنا پڑا "

کبھی اپنی بیٹی کو وصیت کرتے ہوئے یوں کہا :-

نوحی علی بحسرۃ   من خلف سترک والحجاب

"مجھ پر حسرت و اندوہ کے ساتھ اپنے پردہ و حجاب کے پیچھے بیٹھ
کر ہی نوحہ کرتی رہنا "

کبھی محل تشبیب میں بلند نسوانی تمدن کی تصویر کشی یوں
کی ہے :-

وادبیۃ اختوبھا عربیۃ   تعزی الی المجد الکریم الاکرم

محجوبۃ لم تبتذل امارۃ   لم تاتمر مخدومۃ لم تخدم

" وہ مہذب اور تربیت یافتہ عربی خاتون مجھے پسند ہے جو
بزرگ مرتبہ باپ دادا کی طرف نسبت رکھتی ہے - پردہ دار ایسی
کہ جو کبھی گھر سے باہر نہیں نکلی حکمرانی کرنے والی جو کسی کی محکوم نہیں
بنی - دوسروں سے خدمت لینے والی جسے خود خدمت کرنا نہیں پڑی "

یہ شرعی پردہ مگر میں اس شرعی و غیر شرعی کی موجودہ اصطلاح سے متفق نہیں ہوں۔ میرے نزدیک وہ یوپی کے شرفا روالا پردہ بھی غیر شرعی نہیں ہے، شرعی ہے مگر فرق اتنا ہے کہ برقع و چادر والا پردہ کم از کم اور ناگزیر درجہ پردہ کا ہے جس کے بغیر پردہ کی پابندی ہو ہی نہیں سکتی اور یہ چاردیواری پردہ ایک بلند درجہ ہے جس کا حکم شرع میں موجود ہے مگر سب پر اس کی پابندی فرض نہیں ہے۔

دوسری لفظوں میں وہ پردہ واجب ہے اور یہ پردہ مستحب ہے لیکن اگر نماز فرادی کے کافی ہو جانے سے نماز جماعت غیر شرعی نماز نہیں قرار پا سکتی تو تیسری قسم والے پردہ کے کافی ہونے سے چوتھی قسم کا پردہ غیر شرعی پردہ نہیں کہا جا سکتا۔

یہ پردہ امہات المومنین یعنی ازواج رسول کے لیے ایک فریضہ مخصوص کی حیثیت رکھتا تھا بلکہ اُن کے واسطے خصوصیت خاص تھی کہ وہ اپنے گھروں سے باہر کہیں جائیں ہی نہیں اور حتی الامکان اپنے مکان کی پابند رہیں انھیں حکم تھا کہ "قرن فی بیوتکن" اپنے گھروں کے اندر بیٹھی رہو۔ قرن کی لفظ بعض لوگ وقار سے مشتق قرار دیتے ہیں۔ مگر علامہ ابو البقار زندی نحوی متوفی ۳۴۳ھ نے

اس پردہ کی پابندی صرف ہمارے ہندوستان کے صوبہ
یوپی کے شہروں میں شرفاء کے طبقہ کے اندر ہے۔ تمام
عالم اسلامی، عراق دحجاز و ایران اور خود ہندوستان
کے یوپی کے علاوہ دوسرے صوبوں میں اور یوپی میں بھی
دیہاتوں کے اندر اکثر و بیشتر اور شہروں میں غیر شرفاء کے مسلمان طبقہ
میں اسکا رواج اُسوقت بھی نہیں رہا جبکہ مذہب کی پابندی زیادہ
پر تھی اب کا ذکر نہیں جبکہ یوپی کیا لکھنؤ کے عام شرفا کیسے بعض معزز
کے گھرانے کی عورتیں تک پردہ کو بالکل خیرباد کہہ کے آزاد ہو چکی ہیں
اور بیگم کے بجائے لیڈی کہلانا باعث اعزاز سمجھ رہی ہیں
موجودہ پردہ کے مذہبی دنیا میں عام طور سے رائج نہ ہونے
اور صرف اُس محدود حلقہ میں رائج ہونے کی بنا پر بسا اوقات
اُسے غیر شرعی پردہ کہا جاتا ہے اور شرعی پردہ سے مراد
جاتا ہے وہ تیسری قسم کا پردہ جو صرف برقع یا چادر
اعزا کے سامنے جتنے پردہ کرانا منظور بھی ہے اکثر صرف
ڈوپٹہ کی آڑ سے سمجھ لیا جاتا ہے کہ پورا ہو گیا۔ حالانکہ
سلسلہ میں یقیناً حد شرعی کی خلاف ورزی ہے کہ یہ
ایسے باریک ململ کے ڈوپٹہ سے بھی ہو جاتا ہے جو حقیقۃً
نہیں یعنی اُس کے اندر سے شکل و شمائل نظر آتی ہے مگر
بھی بیچاری بے زبان شرع کے سر منڈھ کر کہہ دیا جاتا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حجاب کا بلند درجہ جو سب ہی عورتوں کے لیے پسندیدہ ہے وہ یہی ہے۔

چنانچہ عورتوں کے لیے بند رکھے جانے اور گھروں کے اندر رہنے کا حکم عمومی حیثیت سے وارد بھی ہوا ہے۔ جیسے کافی کی حدیث امام جعفر صادقؑ سے جس میں فرمایا ہے فاحبسوا نساءکم یامعاشر الرجال "اپنی عورتوں کو بند رکھو" ایسے ہی الفاظ علل الشرائع کی حدیث میں ہیں ایک حدیث میں ہے فحصنوھن فی البیوت "گھروں میں قلعہ بند رکھو انھیں"

کچھ حدیثوں میں باختلاف الفاظ اس طرح ہے کہ النساء عیّ وعورۃ فاستروا عیھن بالسکوت واستروا عورتھن بالبیوت "صنف نازک سرتا پا عورت یعنی چھپانے کی چیز ہے اس لیے ان کو گھروں میں پوشیدہ رکھو"

ان احادیث کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اور لفظ عورت کی تشریح بھی کی جا چکی ہے۔

ان تمام احادیث سے ظاہر ہے کہ عورت کے لیے سب سے بہتر پردہ گھر کی چار دیواری ہی ہے۔ اس کے بعد گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں پردہ کا یہ معیار کہ قدوقامت بھی نظر نہ آئے اس کی بنیاد قائم فرمائی سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے جب آپ مرض الموت میں ایک روز

تصریح کی ہے کہ اسے اگر قِرن پڑھا جائے ق کے کسرہ کے ساتھ تو وقار کے معنی ہو بھی سکتے ہیں ۔ لیکن قَرن بفتح ق پڑھنے کی صورت میں جو مشہور اس کی قرات ہے وہ صرف قرار سے مشتق ہو سکتا ہے ۔ (التبیان فی اعراب القرآن)

شربینی مفسر نے لکھا ہے قرن کے معنی ہیں اسکنّ وامکثن دائما " ساکن رہو اور ٹھہرو ہمیشہ " بعض ازواج مقدسہ نے اس کی اتنی پابندی کی کہ حج اور عمرہ مستحبی کو ترک کر دیا جناب سودہ سے کسی نے پوچھا آپ حج اور عمرہ کو نہیں جاتیں انھوں نے کہا کہ حج اور عمرہ تو میں پہلے کر چکی ہوں اب مجھے اللہ کا حکم یہ ہے کہ میں اپنے گھر میں برقرار رہوں ۔ میں تو اپنے گھر سے نکلوں گی نہیں جب تک دنیا سے رخصت نہ ہونگی ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سودہ اپنی زندگی بھر اپنے حجرہ سے نہیں نکلیں ۔ یہاں تک کہ مرنے کے بعد جنازہ بس حجرہ سے باہر آیا ۔ (سراج منیر صـ ۳۳۹)

بضعۃ الرسول حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا نے کمال نسوانی کی منزل جس سے عورت اپنے رب سے تقرب حاصل کر سکتی ہے اسی کو قرار دیا فرمایا ادنی ما تکون من ربھا ان تلزم قعر بیتھا " بہترین درجۂ تقرب حضرت باری کا اسے یوں حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گھر کے اندر رہنے کی پابندی

زیادہ ہے اور تمام عالم اسلام میں عموماً جو پردہ رائج ہے وہ شرعی حیثیت سے واجب مقدار ہے جس میں کمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مخالف شبہات، تاویلات اور اُن کا جواب

مذکورہ بالا دلائل کی موجودگی میں کوئی شخص جو ذرا بھی گوش وہوش رکھتا ہو وہ اس کی جرأت نہیں کرسکتا کہ اسلام میں بالکلیہ پردہ کے وجود کا انکار کرے۔ اس کے بعد اُن لوگوں کا ذکر نہیں جو مذہبی تعلیمات کی پابندی ہی کو عار و ننگ سمجھتے ہیں اور کھلم کھلا مذہب سے بغاوت کا اعلان کرتے ہیں اُنھیں اس کی ضرورت ہی نہیں کہ وہ اپنی آزادی میں مذہب کی آڑ لیں اور آیات و احادیث کی تاویلیں ضروری سمجھیں، اور یہ لوگ حقیقت میں کم خطرناک ہیں مگر وہ لوگ جو اپنی آزادی کے ساتھ ساتھ مذہبی پابندی کا ادعا بھی نہیں چھوڑنا چاہتے وہ ایسے مسائل میں شاذ علماء کے اقوال، اُن کی نادرہ تفاسیر اور توجیہات و تاویلات کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتے اور اُن سے پردہ کے خلاف اپنی مقصد برآری کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ سادہ لوح افراد مذہب کے ڈگمگانے کا باعث ہوسکتے ہیں اور اسی لیے زیادہ خطرناک ہیں۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ان شبہات اور توجیہات و تاویلات

غیر معمولی طور پر متفکر نظر آئیں اور اسماء بنت عمیس نے سبب دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اے اسماء مجھے یہاں کے جنازہ اُٹھانے کا دستور اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ عورت کی میّت کو بھی تختہ پر اُٹھایا جاتا ہے جس سے قد و قامت اُس کا نظر آتا ہے اسماء اس سے پہلے چونکہ حضرت جعفر طیار کے حبالۂ عقد میں تھیں اور اُن کے ساتھ ہجرت اولیٰ میں حبشہ گئی تھیں۔ اُنھوں نے کہا کہ میں نے ملک حبشہ میں ایک طریقہ جنازہ کے اُٹھانے کا دیکھا ہے۔ میں وہ آپ کو بنا کر دکھاؤں گی غالباً آپ اُسے پسند فرمائیں گی۔ چنانچہ اسماء نے تابوت کی ایک شکل بنا کر سیدہ عالم کو دکھائی۔ آپ نے اُس کو بہت پسند فرمایا اور اپنے والد بزرگوار جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد کسی نے آپ کو ہنستے نہ دیکھا تھا۔ آج اتنا خوش ہوئیں کہ تبسم فرمانے لگیں اور کہا اسماء تم نے میرے پردہ کا انتظام کیا۔ اللہ روز قیامت تمھارا پردہ رکھے۔

آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی لاش تابوت میں اُٹھائی گئی۔

اس کے بعد ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ اس طرح کا پردہ جو قد و قامت کو بھی مخفی کر سکے غیر شرعی پردہ ہے ہاں جو کچھ بھی ہے وہ اتنا کہ مقدار واجب سے وہ

متوفی ۸۲۶ھ کنز العرفان میں۔ فاضل ہندی ضیاء الدین محمد بن الحسن الاصفہانی متوفی ۱۱۳۷ھ کشف اللثام میں۔ اور پھر شیخ الفقہاء شیخ محمد حسن نجفی متوفی ۱۲۶۶ھ اپنی مشہور کتاب جواہر الکلام میں سرکار آقا سید کاظم طباطبائی متوفی ۱۳۳۷ھ بطور احتیاط وجوبی اور ہماری سب سے بڑے استاد میرزا محمد حسین نائینی طاب ثراہ حاشیہ عروۃ الوثقیٰ میں اسی کے قائل ہیں اور ہمارے استاد جناب سید باقر صاحب قبلہ متوفی ۱۳۴۶ھ اپنی کتاب اسداء الرغاب فی مسئلۃ الحجاب صرف اسی کے اثبات میں تحریر فرمائی ہے

محقق حلیؒ صاحب شرائع کا شمار اس فہرست میں اگرچہ عام طور پر اس سے پہلے نہیں کیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ موصوف بھی چہرہ اور ہاتھوں پر پہلی نظر کو جائز سمجھتے ہیں اور دوسری نظر کو وہ بھی حرام کہتے ہیں ملاحظہ ہو شرائع الاسلام مطبوعہ ایران صفحہ ۱۴۹:۔

یجوز۔ ان ینظر الی وجہھا وکفیھا علی کراھیۃ فیہ ولا یجوز معاودۃ النظر۔ یعنی چہرہ اور ہاتھوں پر نظر کرنا مکروہ ہے اور دوبارہ نظر ڈالنا ناجائز ہے"

اس کے معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ بے پردہ عورتیں جو سامنے آتی ہیں ان پر نظر پڑنے سے راستہ وغیرہ چلنے کی حالت میں تحفظ واجب نہیں ہے لیکن پہلی دفعہ نگاہ پڑنے کے بعد نظر کا ہٹا لینا لازم ہے اور دوبارہ نظر چہرہ پر بھی جائز نہیں ہے۔

کو درج کر کے اُن کا استیصال کر دیا جائے

پہلا شبہہ | علماء قائل ہیں کہ چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا کھولنا جائز ہے۔ اس لیے پردہ کا اُٹھایا جانا قابل اعتراض نہیں ہے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ تھوڑے سے، بہت سے اور بہت سے بھی زیادہ کوئی درجہ ہو تو علماء، مفسرین یا محدثین کے اقوال تو کوئی شرعی سند بن ہی نہیں سکتے کیونکہ وہ غیر معصوم ہوتے ہیں اور غیر معصوم ایک یا ہزار یا دس کروڑ کوئی بھی غلطی سے مستثنیٰ نہیں ہے جبکہ اس کے برخلاف بہت سے اکابر علماء اور محققین چہرہ اور ہاتھوں کے استثناء کے قائل نہیں ہیں۔

شیخ صدوق ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی رحمۃ اللہ متوفی سنہ ۳۸۱ھ مقنع میں۔ شیخ مفید ابو عبد اللہ محمد بن محمد النعمان متوفی سنہ ۴۱۳ھ مقنعہ (مطبوعہ طہران صفحہ ۲۸۲) میں۔ شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی سنہ ۴۶۰ھ نہایہ میں۔ ابن ادریس حلی متوفی ۵۹۸ھ سرائر میں علامہ ابن شہر آشوب متوفی ۵۸۸ھ اپنی کتاب متشابہات القرآن میں آیۃ اللہ العلامہ علی الاطلاق الشیخ بن یوسف بن مطہر حلی متوفی ۷۲۶ھ تذکرۃ الفقہاء (ج ۲ مطبوعہ ایران) میں اُن کے فرزند فخر المحققین محمد بن الحسن بن یوسف الحلی متوفی ۷۷۱ھ ایضاح میں۔ شیخ جمال الدین مقداد بن عبد اللہ سیوری حلی

اس کے بعد شہید اول متن میں اور شہید ثانی شرح میں فرماتے ہیں ولا ینظر الرجل الی المرأۃ الاجنبیۃ وھی غیر المحرم والزوج والامۃ الا مرۃ واحدۃ من غیر معاودۃ فی الوقت الواحد عرفا

"انسان غیر عورت کی طرف کسی ایک موقع پر بس ایک دفعہ دیکھ سکتا ہے۔ پلٹ کے پھر دیکھنا جائز نہیں ہے" (شرح لمعہ، طبع عبدالرحیم ج ۲ ص۵۴)

زمانۂ قریب کے علماء میں سے آقا شیخ احمد آل کاشف الغطاء نے اپنی کتاب سفینۃ النجاۃ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے

لا یحل للرجل النظر الی الاجنبیۃ ولا للمرأۃ النظر الی الاجنبی الا الوجہ والکفین مرۃ واحدۃ من غیر معاودۃ (ج ۲ مطبوعہ نجف اشرف ص۳۵۴)

یہ تو علماء کے اقوال ہیں اور حقیقت میں شرعی سند کسی مسئلہ میں صرف کلام الٰہی اور کلام معصوم ہے اور اس سے بلا شبہ پردہ کا وجوب ثابت ہے۔

آیت قرآنی میں الا ما ظھر منھا کے معنی چہرہ اور ہاتھ قرار دینا صرف انسانی دماغ کا ایک اختراع ہے۔ حالانکہ کلام الٰہی میں

اس کو زیادہ صاف طریقہ پر علامۂ حلی رحمۃ نے اپنی کتاب قواعد میں ان الفاظ میں کہا ہے ۔ ولا یحل النظر الی الاجنبیۃ الّا بضرورۃ کالشہادۃ علیھا ویجوز الی وجھھا وکفیھا مرّۃ لا ازید

"غیر عورت کی طرف نظر کرنا جائز نہیں ہے مگر کسی ضرورت کی بنا پر جیسے گواہی دینے کے لیے اور چہرہ اور ہاتھوں پر بس ایک مرتبہ نظر جائز ہے ۔ اس سے زیادہ نہیں "

یہی شہید اول محمد بن مکی عاملی ۔۔۔ اور شہید ثانی شیخ زین الدین عاملی رحمہ اللہ کا مختار ہے

شرح لمعہ اور شرح لمعہ میں انہوں نے یہ لکھنے کے بعد کہ یجوز النظر الی وجہ امرأۃ یرید نکاحھا "نظر کرنا اس عورت کے چہرہ پر جائز ہے کہ جس سے شادی کرنا مقصود ہو " لکھا ہے "ویختص الجواز بالوجہ والکفین " کے ساتھ مخصوص ہے "

شارح نے اس کے شرائط کے ذیل میں فرمایا ہے ۔ ومباشرۃ المرید بنفسہ فلا یجوز الاستنابۃ فیہ وان کان اعمی

"جو شادی کرنا چاہتا ہے وہ بس بذات خود نظر کر سکتا ہے دوسرے کو اپنا قائم مقام نہیں بنا سکتا یہاں تک کہ اگر خود نابینا ہو تب بھی دوسرے کو نائب نہیں بنا سکتا "

اس سے ظاہر ہے کہ چہرہ پر نظر کرنا عام حالات میں حرام ہے اور چہرہ پردہ سے مستثنیٰ نہیں ہے ۔

کوشش کر سب سے پہلے جو مفہوم ذہن میں آتا ہے وہ چہرہ پر نظر ڈالنا
اس لئے دوسری اعضا و جوارح پہ نظر کی ممانعت کے بارے میں وہ صرف
ایک طور اطلاقی کا درجہ رکھتا ہو مگر چہرہ پہ نظر کی ممانعت کے
بارے میں اُسے نص کا درجہ حاصل ہوگا اور کسی طرح چہرہ کو
اس حکم سے خارج سمجھنا درست نہیں ہو سکتا ۔

اس کا ایک صریح ثبوت حضرت زینب کا ارشاد ہے جس کا
تذکرہ اس کے پہلے خاندان رسولؐ کے اسوۂ حسنہ کے ذیل میں ہو چکا
ہے ۔ دربار یزید میں اپنے مصائب کے اظہار کے موقع پہ آپ نے
ارشاد فرمایا قد هتکت ستورهنّ وابدیت وجوههنّ
" تو نے اہلبیت رسولؐ کی پردہ دری کی اور ان کے چہروں کو
کھول دیا ۔ اور پھر فرمایا تیتصفح وجوههنّ القریب والبعید
والدنی والشریف " نزدیک و دور کے لوگ اور پست و بلند درجہ
کے افراد اُن کے چہرہ پہ نظر ڈال رہے ہیں ۔" ظاہر ہے کہ حضرت
زینب سلام اللہ علیہا شارع اسلام کے خاندان کی ایک فرد ہیں
جہاں شرعی حدود کی مخالفت تمام باتوں سے زیادہ قلب کے
لیے باعث تکلیف اور روح کے لیے سبب اذیت ہو سکتی ہے
بقول جناب سید باقر صاحب قبلہ کے " اگر چہرہ اور ہاتھوں کا
کھلنا شرعاً جائز ہوتا اور اجنبی مردوں کی نظر کا ان اجزائے
جسم پہ پڑنا درست ہوتا لیکن سر اور بالوں کا کھلنا نامحرموں کے

اعضائے جسمانی سے یہ استثنا ہرگز نہیں بلکہ زینت سے استثنا ہے اور زینت میں باطنی زینت وہ ہے جس کے اظہار سے جسد کا اظہار ہوتا ہے اور اوپر کی زینت وہ ہے جس کے اظہار سے جسد کا اظہار نہیں ہوتا اس لیے اس سے جسم کے کسی ایک حصہ کے بھی کھلنے کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا اس پر تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے یہ ماظہر کی تفسیر چہرہ اور ہاتھ کے ساتھ ابن عباس، عطا، ضحاک اور اوزاعی کی تفسیر ہے جن کا قول مسائل شرعیہ میں ہمارے نزدیک ذرہ بھر وقعت نہیں رکھتا۔ خود کتب اہلسنت میں جلیل القدر صحابی عبداللہ بن مسعود کا قول یہی ہے کہ ماظہر سے مراد اوپر کے کپڑے ہیں۔ ابن مسعود کی قرأت اور ان کے فقہی اقوال زیادہ تر آل رسول علیہم السلام کے موافق ہوتے ہیں" اسی قصور پر انہیں استبدادی قوتوں کے ہاتھ سے جسمانی و روحانی تکالیف بھی برداشت کرنا پڑے۔ اس لیے ان کا قول ہمارے نزدیک حقیقت امر اور مراد الٰہی سے زیادہ قریب ہے۔

قریب بتواتر احادیث جس میں مطلق طور پر نظر الی النساء کو موجب فتنہ، موجب فساد اور "سہم من سہام ابلیس مسموم" (شیطان کا زہر میں بجھا ہوا تیر) اور باعث ضرر اور گناہ بتایا گیا ہے۔ اور پہلی نگاہ کو جو اتفاقی طور سے پڑ جائے جائز کہتے ہوئے دوسری نگاہ کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ ان سب میں کہیں اس استثناء کا پتہ نہیں ہے اور چونکہ عورت پر نظر کرنے کے الفاظ

اصطلاح میں سر کے بال چاہے "دام" اور زنجیر کا کام دیدیتے ہوں مگر قاتل اور صیاد بننے کا تعلق نگاہ ہی سے ہے -

عربی شاعر متنبی نے ناگزیری محبت کے اظہار میں یوں کہا ہے:-

تناهى سكون الحسن في حركاتها

فليس لرائي وجهها لم يمت عذر

"جنبشوں میں اُسکے حسن کا رکھ رکھاؤ انتہائی درجہ پر پہونچ گیا بس اُس کے چہرہ کو دیکھ کر جو مر نہ جائے اُس کے پاس کوئی عذر نہیں ہے"

اُس نے بھی مرنے کا سبب چہرہ کا دیکھنا قرار دیا ہے بالوں کا یا ستر کا دیکھنا نہیں -

کسی دوسرے شاعر نے یوں کہا:-

وعينان قال الله كونا فكانتا فعولين بالالباب ما تفعل الخمر

"وہ دو آنکھیں جو اللہ کے اشارہ کن سے پیدا ہوئیں اس شان کی ہیں کہ عقل و ہوش کے ساتھ شراب کا سا سلوک کرنے والی ہیں"

میر تقی میر کا یہ شعر بھی یاد کر لیجیے -

میر اُن نیم باز آنکھوں میں ساری مستی شراب کی سی ہے

اس صورت میں یا تو شریعت اسلام میں پردہ کا تخیل ہونا ہی نہیں چاہیے - پھر قرآن سے ان آیتوں کو نکال دیجیے

سامنے ممنوع ہوتا جیسا کہ مخالفین کا قول ہے تو یقیناً سر اور بالوں کا بے پردہ ہونا حضرت زینب کے نزدیک چہرہ کے بے نقاب ہونے سے زیادہ تکلیف دہ ہونا چاہیے تھا اور مقتضائے بلاغت یہ تھا کہ مقام ذکر مصائب اور احتجاج میں اس کا تذکرہ کیا جاتا لیکن جبکہ صدیقہ صغریٰ نے بجائے سر اور بالوں کے چہرہ کا تذکرہ کیا تو اس سے ظاہر ہے کہ چہرہ کا پردہ شریعت اسلام کا ضروری جزو ہے اور چہرہ پر نظر پڑنا ایک پردہ دار عورت کی بڑی توہین ہے۔ (اسدالرغاب ص۳۵)

حقیقت میں پردہ کی تشریع کا مقصد یعنی نفس امارہ کے رجحانات کو جو حسن نسوانی کی مقناطیسی کشش سے ہو سکتے ہیں روکنا یہ بھی چہرہ کے پردہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر چہرہ کو پردہ سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو پھر پردہ کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا اور جبکہ ہم قرآن اور سنت متواترہ سے یہ بہر حال ناقابل انکار طور پر دیکھ رہے ہیں کہ پردہ کا قانون اسلام میں ضرور ہے اور اس پر زور دیا جا رہا ہے تو اسی سے ہم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس حکم کا تعلق چہرہ کے ساتھ ضرور ہے۔

چہرہ تو حقیقت میں جمال صورت کا نقطۂ مرکزی ہے چشم و ابرو اور خد و خال، ناوک نظر اور تیر مژگاں، تکلم، تبسم، اشارہ اور نگاہ ہر کرشمہ کا تعلق اسی "جنت نگاہ" سے ہے۔ شاعروں کی

جب چہرہ کھلے خزانے نامحرموں کے سامنے لانا جائز سمجھا جائے خارج کردینا چاہیے۔ اور ان احادیث کے دفتر کو بھی دریا برد کردینا چاہیے جن میں عورتوں پر نظر ڈالنے کو منع کیا گیا ہے، سبب فتنہ بتایا گیا ہے اور اس کے بُرے نتائج سے ڈرایا ہے۔ مگر جبکہ نہ قرآن سے وہ آیتیں نکل سکتی ہیں۔ نہ احادیث کو فنا کیا جاسکتا ہے تو مسلمان رہتے ہوئے ماننا پڑیگا کہ اسلام میں پردہ کا نظام ہو چکا ہے اور پردہ کا کوئی مفاد حاصل نہیں ہوسکتا جب تک چہرہ چھپانا لازم نہ ہو اس لیے ماننا پڑیگا کہ چہرہ کا پردہ ضرور واجب ہے اور اس کے خلاف جو توہمات ہیں وہ صرف عدم تدبر یا سہولت پسندی کا نتیجہ ہیں۔

لطف یہ ہے کہ مذہبی دنیا جو عملاً پردہ کی پابند رہی ہے اس نے ہمیشہ چہرہ کو پردہ کا مرکز سمجھا ہے بلکہ ہمارے شرفا کے گھروں کے "شرعی پردہ" میں جو عزیزوں کے ساتھ ہوتا ہے جب چادرے یا ڈوپٹہ کا پردہ کیا جاتا ہے تو چاہے پان دیتے میں یا اور کسی ضرورت سے ہاتھ کلائی بلکہ کہنی تک کھل جائے چاہے پیر اتفاق سے باہر رہ جائے مگر چہرہ کو چھپائے رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ شرعاً یہ صورت بھی قابل اعتراض ہے "شرعی پردہ" یعنی اوّل درجہ وجوب میں جسم کا کوئی حصہ بھی کھلا نہیں رہنا چاہیے مگر مجھے یہ دکھانا ہے کہ پابندانِ مذہب کے طبقہ میں عملی طور پر چاہے

جیسے واذا سألتموھن متاعا فاسألوھن من وراء حجاب "(اے مسلمانو) تمھیں ازواج رسول سے کچھ مانگنا ہو اکرے تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔"

حالانکہ ازواج رسول کو امہات المومنین کا درجہ دیدیا گیا تھا اور اُن کو امت کے افراد کے لیے حرام مؤبد قرار دیدیا گیا تھا اگر وہ پردہ سے مستثنیٰ ہوتیں تو دوسروں کے لیے نظیر قائم نہ ہوتی لیکن جبکہ اس کے باوجود اُن کے لیے پردہ کا حکم دیا گیا تو صاف ظاہر ہے کہ دوسری عورتیں پردہ سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتیں۔

جیسے ولا یبدین زینتھن "اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں" جب چہرہ ہی کھل گیا تو دوسری آرائش ظاہر ہوگی تو کیا ہوگا جیسے یا ایھا النبی قل لازواجک وبناتک و نساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن "اے رسول اپنی بیوں سے کہو، اپنی خاندان کی لڑکیوں سے کہو اور تمام مسلمانوں کی عورتوں سے کہو کہ سر سے پیر تک چادریں نہاں ہو کر نکلا کریں۔"

حالانکہ ادنا رجلباب کے معنی ہی ہیں چہرہ کا چھپانا جس کے شواہد پہلے تفصیل سے آچکے ہیں۔

یقیناً ان تمام آیات کو قرآن سے اُس صورت میں کہ

اور غیر معمولی روایات ہیں جس کا پتہ چلتا ہے ۔ کیا یہ اپنی لامذہبیت کو مذہب کے آڑ میں چھپانے کے لیے مذہب کے ساتھ مذاق نہیں ہے؟ مجھے اگر پتہ بتایا جائے کسی خطۂ ارض میں کسی عورت کا جو نیک نیتی سے کسی ایسے عالم کی مقلد ہو کر جو وجہ وکفین کے استثناء کا قائل ہے ان حدود کی پابندی کے ساتھ باہر نکلتی ہو تو چاہے میں اُس کے طرزِ عمل کو غلط سمجھتا ہوں مگر اُس عورت کا احترام کرنا ضروری سمجھونگا اس لیے کہ اُس نے ایک اصول کو پیش نظر رکھا ہے اور اُس اصول کی وہ عملی طور سے پابند بھی ہے ۔ مگر یہ دلدادگان تمدن مغربی جس طرح خواتین کو بے پردہ بنا رہے ہیں یا وہ جس طرح بے پردہ ہو رہی ہیں اُس عمل کو میں جتنا اپنی جگہ قابل نفرت سمجھوں اُس سے زیادہ اُن کی اس کوشش کو قابل نفرت سمجھونگا کہ وہ اپنے اس عمل کو اسلامی تعلیم کے حدود میں لانے کی کوشش کریں اُس قول کی بناء پر جو استثنائے وجہ و کفین کے متعلق بعض علماء نے اختیار کیا ہے ۔ یہ سعی انکی کامیاب ہے اور نہ مشکور ۔ اسلامی تعلیم ہرگز اس بے پردگی کے لیے ان کی ہم آواز نہیں ثابت ہو سکتی ۔

دوسرا شبہہ وہ شخص جو شادی کا ارادہ رکھتا ہے اُسے موقع دیا گیا ہے کہ وہ اسے دیکھ لے جس سے عقد کرنا چاہتا ہے ـــــــــــــــ اس

وہ کسی عالم کے مقلد ہوں مگر عملی طور سے چہرہ کے پردہ کی سب سے زیادہ اہمیت محسوس کی گئی ہے اور کبھی اختلافی مسائل کی طرح ایسا نہیں ہے کہ کچھ علماء کے مقلدین اپنے عالم کے فتوے کی بناء پر چہرہ کو پردہ سے مستثنیٰ سمجھ لیں مگر آج اس استثناء والے قول سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ لوگ جو تمدن مغربی کی رو میں بہہ کر پردہ کے اٹھانے کے درپے ہیں۔ وہ مذہبی طبقہ کے اعتراض کے مقابل میں اس استثناء کی سپر لیکر اٹھتے ہیں حالانکہ تمدن مغربی کو اختیار کر کے ہندوستانی فیشن کی آمیزش کے ساتھ عملی طور پر کیا ہوگا۔ وجہ وکفین (چہرہ اور ہاتھوں کا) اٹھانا فقط؟ توبہ

نہیں جناب ہاتھ کہنیوں تک نہیں بلکہ شانوں تک اور کسی ضرورت سے ہاتھ اونچا کرنے کی شکل میں ڈھیلی آستینوں کی جتنی وسعت ہو اسکے لحاظ سے اور آگے تک۔ کنپٹیاں۔ کان سر، گردن۔ بال جتنے بھی بر بنائے فیشن رکھے گئے ہوں پشت کا اوپر کا حصہ۔ سینہ جس حد تک فیشن کے حدود متقاضی ہو پیر، گٹے، پنڈلیاں اور لڑکیوں کے لیے (جو نو برس کی ہو چکنے کی وجہ سے شرعی طور پر بالغ بھی ہو چکی ہوں) گھٹنے اور رانوں کا بہت سا حصہ بھی۔ اس سب کے جواز کے لیے تنکے کا سہارا "چہرہ اور ہاتھوں" کا استثناء جس کے بعض علماء قائل ہیں یا بعض شاذ

صورت میں دیکھنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا ۔
لیکن اگر نکاح کرنے والا اتنا بلند نگاہ نہیں ہے اور وہ صورت کو نصب العین قرار دیے ہوئے ہے اس لیے دیکھنے کا خواہشمند ہے تو لڑکی والوں کو یہ حق ہے کہ اُس کی پست طبعی کا اندازہ کر لینے کے بعد اُسکے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیں وہ صاف کہدیں کہ تمھیں عورت کے اصلی جوہر حسن کا اندازہ نہیں ۔ وہ ظاہر کر دیں کہ تمھاری شرافت شریف عورت کی قدر کرنے سے قاصر رہے گی اس لیے تمھیں اُن حسینوں کی طرف رخ کرنا کرنا چاہیے جو تمھارے مزاج اور طبیعت کے لائق ہیں لیکن اگر لڑکی والے اُس کی اس طبیعت کا اندازہ کرنے کے باوجود خود اتنی بلند نگاہی کا مظاہرہ نہیں کر سکتے بلکہ اُس کے ساتھ شادی کرنے کے لیے تیار ہیں ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خود بھی کسی بلند سطح خودداری پر نہیں ہیں ۔ تو پھر اسلام آیندہ کے شکوے، گلے، غلط فہمی کے احساسات اور اُس کے ناخوشگوار معاشرتی نتائج کو روکنے کے لیے نکاح کرنے والے کو تاریکی میں نہیں رکھنا چاہتا اس صورت میں وہ اجازت دیتا ہے کہ ایک نظر ایسی جس سے صورت کا اندازہ ہو جائے عورت پر ڈالی جا سکتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ شادی پیغام کا ارادہ ہونا کچھ خارجی قرائن اور آثار کا حامل ہوتا ہے جیسے خواستگاری کرنا، نامہ و پیام کا جاری ہونا

صورت میں یہ بھی امکان ہے کہ کوئی ہوس پرست شادی کے ارادہ کے بہانے سے سب ہی عورتوں کو دیکھتا پھرے ۔ اس صورت میں پردہ کے حکم کا کوئی مفاد باقی نہ رہیگا۔

اس کے جواب میں یہ گذارش ہے کہ کسی حکم میں مستثنیات کا وجود اصل قانون کے ثبوت کی دلیل ہوتا ہے۔ اگر اس خصوصیت کے ساتھ کہ شادی کا ارادہ رکھتا ہو بطور استثنا نظر کی اجازت دی گئی ہو تو اس سے اصل قانون پردہ کے ثبوت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ شریعت اسلام میں اس کی سختی سے ممانعت لی گئی ہے کہ مال و جمال کو مطمح نظر نہ بناؤ اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ اگر ان دونوں کی خاطر سے شادی کروگے تو دونوں سے محروم ہوگے ۔ اصل جمال عورتوں کا جمال سیرت ہے۔ حسن ظاہری کے ساتھ بد اخلاق عورت کی مثال دی گئی ہے خضراء الدمن جیسے گھورے پر اُگا ہوا سبزہ ۔ رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا:۔ ایاکم و خضراء الدمن " دیکھو گھورے کے سبزے سے پرہیز کرو" پوچھا گیا ومن خضراء الدمن " گھورے کا سبزہ کون ہوتا ہے" فرمایا المرأۃ الحسناء فی منبت السوء خوبصورت عورت بری نشوونما کے محل میں (فقہ الرضا مطبوعہ طہران)

اس طرح مسلمان کی نگاہ میں بلندی کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ اصول شرافت یہ ہے کہ شادی میں صورت کا لحاظ ہی نہ کرو۔ اس

نظر جائز نہ ہوگی "

فقیہ جلیل سالم بن ربیع نے اپنی کتاب مہذب میں جس کا قلمی نسخہ بخط مصنف ۰۹ھ کا لکھا ہوا میرے پاس موجود ہے اس کے شرائط کو تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں یجوز النظر الی وجہ امرأۃ یرید نکاحہا اجماعا بشروط الاول ان یکون مریدا النکاحہا الثانی امکانہ عادۃ بالنظر الی حالہا وحالہ الثالث خلوہا من موانع النکاح کالعدۃ وان جازت خطبتہا فی بعض المواضع الرابع ان لا یتلذذ بہ فوقت جواز النظر عند اجتماع ہذہ الشرائط۔

(یعنی) جس عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے اس کے چہرہ پر نظر کرنا اجماعاً جائز ہے چند شرطوں سے۔ پہلے یہ کہ واقعی نکاح کا ارادہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کی حیثیت اور اس لڑکی کی حیثیت کو دیکھتے ہوئے دستور زمانہ کے مطابق اس نکاح کا امکان ہو تیسرے یہ کہ موانع نکاح میں سے کوئی امر پایا نہ جاتا ہو مثلاً عدۃ میں نہ ہو اگرچہ اس حالت میں بعض صورتوں میں پیغام دینا جائز ہے مگر دیکھنا اس حالت میں جائز نہیں ہوگا۔ چوتھے یہ کہ اس دیکھنے سے لذت اندوز ہونا مطلوب نہ ہو۔

جب یہ سب شرطیں جمع ہوں اس وقت نظر جائز ہو سکتی ہے۔

وغیرہ وغیرہ۔ اُن قرائن وحالات کی موجودگی کے ساتھ لڑکی والے ایسا انتظام کرسکیں گے کہ ایک نظر دیکھنے کے لیے ذرا دیر کے لیے لڑکی کو اُس کے سامنے کردیں۔ اس صورت میں یہ امکان کہاں ہے کہ سب لڑکیوں کے ورثہ اپنی لڑکی کو ہر مرد کے سامنے لے آئیں یا لڑکی ہر مرد کے سامنے آجائے۔ رہ گیا چھپ چھپا کر اتفاقی مواقع سے فائدہ اُٹھانا تو وہ ظاہر ہے کہ انفرادی اور ہنگامی عمل ہے جسے بطور خود افراد عمل میں لاتے ہی ہیں اور وہ مابین خود وخدا والا معاملہ ہے۔ اب اگر حقیقت میں اُس عورت کے ساتھ شادی کی نیت ہے اور نظر "بقدر ضرورت" سے آگے نہیں بڑھی تو وہ اللہ کے یہاں گنہگار نہ ہوگا۔ پھر بعض علماء کی تصریح کے مطابق یہ جواز صرف اُس وقت ہے کہ جب لڑکی کی طرف سے پیغام شادی کو منظور بھی کیا جا چکا ہو۔

ابن ادریس حلی رحمہ اللہ سرائر میں فرماتے ہیں:۔

یجوز ان ینظر الی وجہہا وکفیہا فحسب۔ اذا کانت استجابت النکاح فاما اذا لم یوا فق علی التزویج فلا یجوز لہ النظر الی ما کان یجوز لہ النظر الیہ عند استجابتہا وظہور الحال بموافقتہ۔" صرف اُس کے چہرہ اور ہاتھوں پر نظر جائز ہوگی اُس صورت میں کہ جب اُس نے شادی کرنا منظور کر لیا ہو۔ اور اگر شادی کی منظوری نہیں ہوئی ہے تو اُس کو

"امام جعفر صادق ع فرماتے ہیں کہ عورت کے چہرہ اور کہنیوں کے حصہ تک پر نظر جائز ہے جب شادی کا ارادہ ہو"۔

دوسری روایت جس میں سراۂ سے ہے۔ وہ کہتے ہیں:-

قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام الرجل یرید ان یتزوج المرأۃ یتأملھا و ینظر الی خلفھا والی وجھھا قال نعم لا باس بان ینظر الرجل الی المرأۃ اذا اراد ان یتزوجھا ینظر الی خلفھا والی وجھھا

"میں نے امام جعفر صادق ع سے دریافت کیا کہ کوئی شخص عورت سے شادی کا ارادہ رکھتا ہو تو اُسے غور سے دیکھ لے اور اُس کی پشت اور چہرہ پر نظر کر لے۔ حضرت نے فرمایا ہاں کوئی مضائقہ نہیں کہ مرد عورت کی طرف دیکھ لے اگر اُس سے شادی کرنا منظور ہے۔ اُس کے پشت اور چہرہ کی طرف نظر کر سکتا ہے"۔

ان حدیثوں میں ارادۂ شادی کی قید کے ساتھ چہرہ پر نظر کرنے کی اجازت ایک قوی ثبوت ہے اس کا کہ عام قانونِ پردہ کے لحاظ سے چہرہ مستثنیٰ نہیں ہے ورنہ سائل کو چہرہ کے متعلق سوال کی ضرورت نہ تھی اور امام کو جواب میں پھر چہرہ کے ذکر کو دوہرانے کا کوئی موقع نہ تھا۔

اسی لیے شیخ الطائفہ نے مبسوط میں فرمایا ہے: فاما اذا نظر الی اجنبیۃ بریدان یتزوجھا فعندنا یجوز ان ینظر الی وجھھا

شہید ثانی رحمہ اللہ نے شرح لمعہ میں بھی ان شرطوں کی تصریح
کی ہے ۔

امیر سید علی طباطبائی متوفی ۱۲۳۱ھ نے اپنی کتاب ریاض المسائل
میں جو شرح کبیر کے نام سے مشہور ہے اس شرط کو بھی قوت دی ہے
کہ صورت کا علم حاصل کرنے کا مفاد دیکھنے سے وابستہ ہو یعنی اگر
پہلے سے اس عورت کی صورت کا علم ہو چکا ہے تو دیکھنا جائز نہیں ہے
ہی جناب سید کاظم طباطبائی طاب ثراہ نے نہایت صاف
الفاظ میں لکھا ہے : ویشترط ایضا ان لا یکون مسبوقا بحالها
"یہ شرط ہے کہ پہلے سے اس کی صورت سے واقف نہ ہو" (عروۃ
الوثقیٰ مطبوعہ صیدا ج ۲ ص ۳۴۹)

اور اگر حقیقت میں اس کا ارادہ شادی کا نہیں ہے بلکہ
اس نے بہانہ بنایا ہے عورت کو دیکھنے کا تو وہ اس بہانہ سے اللہ
کے یہاں گناہ سے بچ نہیں جائیگا کیونکہ سب کو دھوکا دینا ممکن ہو
اللہ کو دھوکا دینا ہرگز ممکن نہیں ہے وہ اگر یہ سمجھتا ہے کہ اس
طریقہ سے میں سزا کی زد سے بچ گیا تو وہ صرف اپنے نفس کو دھوکا
دے رہا ہے (وما یخدعون الا انفسہم وھم لا یشعرون)
غور کیجیے تو اس بارے میں حسب ذیل حدیثیں جو وارد ہوئی ہیں
عن ابی عبد اللہ ؑ لا باس بان ینظر الی وجھہا ومعاصمہا
اذا اراد ان یتزوجہا

یہی قید لگائی ہے ۔ فرماتے ہیں :۔

یجوز النظر الی امرأۃ اجنبیۃ یرید ان یتزوجھا اذا نظر الی وجھہا وکفیہا

" غیر عورت جس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہو اُس کو دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ صرف چہرہ اور دونوں ہاتھوں پر نظر کرے "۔ اس کے بعد یہ سمجھنا کہ چہرہ پردہ کے حکم سے کلیتہً خارج ہے بالکل غلط ثابت ہو جاتا ہے ۔

تیسرا شبہہ | حج میں احرام کی حالت میں مرد کے لیے سر کا اور عورت کے لیے چہرہ کا چھپانا ممنوع ہے ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چہرہ کا پردہ واجب نہیں ہے ۔

یہ توہم بھی بالکل بے بنیاد ہے ۔ احکام میں حیثیتیں مختلف ہوتی ہیں ۔ جس طرح نماز کی حالت میں جو ستر عورت کے لیے واجب ہے اُس سے ہاتھ اور چہرہ کے مستثنیٰ ہونے کے صرف یہ معنی ہیں کہ نماز کی صحت کے لیے جو پردہ ہے جو کسی نامحرم کے نہ ہونے کی صورت میں بلکہ تنہائی میں یا تاریکی میں بھی نماز کی خاطر واجب ہے اُس میں ہاتھ اور چہرہ داخل نہیں ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر کوئی نامحرم موجود ہو تو نامحرم کی نگاہ سے چھپنے کے لیے بھی چہرہ اور ہاتھ کے پردہ کی ضرورت نہیں ۔ اسی طرح حالت احرام میں تمازت آفتاب اور لوہ دھوپ

وکفیہا فحسب

اور محقق صاحب شرائع نے بھی قصد شادی کے ارادہ کی صورت میں قید لگائی ہے اور کہا ہے "ویختص الجواز بوجهها وکفیها" یہ نظر کا جواز اس صورت میں چہرہ اور ہاتھوں کے ساتھ مخصوص ہے۔" (شرائع الاسلام مطبوعہ طہران ص ۱۴۹)

علامہ حلی رح نے تذکرہ میں بھی یہی تخصیص کی ہے اور فرمایا ہے وهو المشهور بين العامة لقوله عليه السلام للمغيرة بن شعبة انظر الى وجهها وكفيها "یہی اہلسنت کے درمیان بھی مشہور ہے کہ حضرت نے مغیرہ بن شعبہ سے فرمایا اس کے چہرہ اور ہاتھوں کو دیکھ سکتے ہیں۔"

شہید ثانی نے شرح لمعہ میں بھی یہی فرمایا ہے کہ ویختص الجواز بالوجه والكفين ظاهرهما وباطنهما۔ بلکہ امیر سید علی طباطبائی صاحب ریاض نے اس کو مشہور کی طرف نسبت دی ہے فرمایا المشهور اختصاص الجواز بالموضعين

اور صاحب حدائق نے فرمایا ہے ظاهر كلام الاصحاب الاقتصار فى النظر على الوجه والكفين

"ہمارے علماء کے اقوال سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ نظر کو چہرہ اور ہاتھوں میں محدود رہنا چاہیے۔

علامہ ابن شہر آشوب رحمہ اللہ نے بھی متشابہات القرآن میں

کی صورت میں ہے لیکن مردوں سے پردہ بہرحال ضروری ہے
چنانچہ حدیث صحیح میں حریز نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے
حضرت نے فرمایا :۔

المحرمۃ تسدل الثوب علی وجہھا الی الذقن

"احرام کی حالت میں جو عورت ہو اُسے کپڑے کو اپنے
چہرہ پر ٹھڈی تک لٹکا لینا چاہیے"

صحیحہ معاویہ بن عمار میں ہے حضرت صادقؑ نے فرمایا

تسدل المرأۃ الثوب علی وجہھا من اعلاہ
الی النحر اذا کانت راکبۃ

"سوار ہونے کی حالت میں عورت کو چاہیے کہ وہ کپڑے
کو اپنے چہرہ پر سر کے اوپر سے سینہ کے اوپر تک لٹکا دے"

دونوں حدیثوں کو سامنے رکھ کر دیکھیے صاف سمجھ
آتی ہے کہ جب عورت پیادہ ہوگی تو اُس پر مرد کی نظر سامنے سے
یا برابر سے پڑ سکتی ہے ۔ اگر مرد بھی پیادہ ہو اور یا اوپر سے پڑیگی اگر
مرد سوار ہو دونوں حالتوں میں ٹھڈی تک لٹکے ہوئے کپڑے سے چہرہ
چھپا رہ سکتا ہے لیکن اگر عورت سوار ہے تو پیادہ مرد اس کو
سواری کے نیچے سے دیکھے گا ۔ اس صورت میں ٹھڈی تک کا
کپڑا کافی نہیں ہوگا بلکہ سینہ تک کپڑا ہوگا تب نظر سے مانع ہوگا
دونوں حدیثوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کی

بچنے کے لیے چہرہ پر نقاب ڈالنے کی ممانعت ہے بلکہ فریضۂ الٰہی میں جسمانی مشقت برداشت کرانے کے لیے چاہا گیا ہے کہ مردوں کے سر اور عورتوں کے چہرے تمازت آفتاب کو برداشت کریں اور اُن کے چہروں کے رنگ حرارت سے متغیر ہوں لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ اجنبی مردوں سے بچنے کے لیے بھی چہرہ کو چھپانا جائز یا واجب نہ ہو بلکہ مذہبی تصریحات اس کے خلاف موجود ہیں۔

طریق اہل سنت سے ام المومنین عائشہ کی روایت ہے:۔

کان الرکبان یمرون بنا ونحن محرمات مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ فاذا جاوزنا سدلت احدانا جلبابھا من راسھا علی وجھھا فاذا جاوزنا کشفناہ

"ہم احرام کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے اور اُس حالت میں مردوں کا ہمارے قریب سے گذر ہوتا تھا تو جب مرد آنے لگتے تھے ہم اپنے دوپٹے کو سر کے اوپر سے چہرہ پر لٹکا لیتے تھے اور جب مرد چلے جاتے تھے تو ہم چہرے کھول دیتے تھے۔"

ظاہر ہے کہ اگر چہرہ کا چھپانا مردوں کے پردہ کے خیال سے بھی حالت حج میں ممنوع ہوتا تو رسالت مآبؐ اس عمل پر تائیدی سکوت نہ فرماتے بلکہ ممانعت فرما دیتے۔ حضرت کا سکوت اس کی دلیل ہے کہ چہرہ کے کھولنے کا حکم حج میں مردوں کے قریب ہونے

"جائز ہی کبھی واجب ہو جائیگا جبکہ غیر مردوں سے پردہ کی ضرورت ہو کہ وہ مقنع کو اپنے سر کے اوپر سے چہرہ کے اوپر ڈال لے۔"

فرماتے ہیں اما جواز السدل بل وجوبہ فیتبین مع الاجماع لانھا عورۃ یلزمہ لتستر من الرجال الاجانب وللاخبار۔

"چہرہ پر مقنع کے ڈالنے کا جواز بلکہ وجوب ظاہر ہے علاوہ اجماع کے اسی دلیل سے کہ وہ عورت ہے۔ اسے غیر مردوں سے پردہ ضروری ہے۔ دوسر احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔" جناب شیخ جعفر نجفی طاب ثراہ المتوفی ۱۲۲۸ھ نے بھی کشف الغطاء میں لکھا ہے۔ ویجوز لھا وقد یجب اذا ارادت التستر من الاجانب سدل القناع الی ما سا لھا من راسھا الی طرف انفھا (طبع ایرانی ص۲۵۳)

جناب شیخ زین العابدین مازندرانی طاب ثراہ ذخیرۃ المعاد (مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۲۵) میں فرماتے ہیں۔

احرام زنہار در روے ایشاں می باشد کہ باید روئے خود را نپوشانند دیگر آں حتی در خواب مگر برائے نامحرم کہ درینصورت نیز پیا دیزد مقنع یا پیچہ یا ردو بند را نقاب

آقا میرزا محمد تقی شیرازی طاب ثراہ نے بھی حاشیہ میں اس کا امضا فرمایا ہے۔

پردہ کی اہمیت کا ایک خاص پہلو

پردہ کی اہمیت کا یہ ایک بڑا ثبوت ہے کہ اس کی وجہ سے

نگاہ سے پردہ بہرحال ضروری ہے۔

ایک دوسری روایت صحیحہ میں بھی یہی ہے المحرمۃ تسدل ثوبھا الی نحرھا

" احرام میں جو عورت ہو وہ کپڑے کو سینہ تک لٹکا ئیگی "

سماعہ کی روایت میں امام جعفر صادق ؑ سے ہے۔

ان مرّبھا رجل استترت منہ بثوبھا

" اگر مرد کا پاس سے گذر ہو تو اپنے کپڑے کے ساتھ اس سے پردہ کرلے "

ان احادیث کے بعد اس تصور کی گنجائش نہیں ہے کہ حالت احرام میں عورت کے لیے چہرہ کا کھولنا غیر مردوں کے سامنے بھی لازم یا جائز ہے۔

اسی لیے محقق ثانی علی بن عبدالعالی کرکی طاب ثراہ نے فرمایا ہے :- وعلیھا ان تسفر وجھھا بالنسبۃ الی الاحرام لابالنسبۃ الی نظر الاجانب " یہ چہرہ کے کھولنے کا حکم بلحاظ احرام کے ہے نہ بلحاظ غیر مردوں کی نظر کے " (جامع المقاصد ج ۱ مطبوعہ ایران)

اور فاضل ہندی بہاء الدین محمد بن حسن اصفہانی ؒ نے کشف اللثام میں لکھا ہے۔ یجوز لھا ان تحجب اذا ارادت لتستر عن الاجانب اا القناع ای ارسالہ من راسھا الی طرف انفھا

ے پردہ ہی کے حکم کو مقدم کیا ہے اور اس لیے حج والے قانون میں ایک طرح کی ترمیم کر دی گئی کہ نامحرموں سے پردہ کی غرض سے چہرہ کا چھپانا صحیح ہے ۔

دوسرا ایک مہتم بالشان مرحلہ گواہی کا ہے۔ ظاہر ہے کہ محکمہ عدالت شرعی میں اظہار حق کے لیے گواہی دینے کے واسطے شناخت کی ضرورت ہے۔ اور مکمل شناخت اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک عورت سامنے نہ ہو مگر اس موقع پر بھی امکانی حدود تک پردہ کی مراعات نظر انداز نہیں کی گئی ۔

صفار کی روایت ہے :-

کتبت الی ابی محمد ع فی رجل اراد ان یشهد علی امرأة لیس لها بمحرم هل یجوز له ان یشهد علیها وهی من وراء الستر یسمع کلامها اذا شهد رجلان عدلان انها فلانة بنت فلان التی تشهدک وهذا کلامها او لا یجوز له الشهادة

میں نے حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں تحریری سوال بھیجا کہ ایک شخص کسی عورت کے متعلق گواہی دینا چاہتا ہے جو اُس کی محرم نہیں ہے تو کیا اس عورت سے گواہی دینا اُسکے لیے جائز ہے کہ وہ پردہ کے پیچھے رہے اس طرح کہ یہ اُس کی آواز کو سنتا ہو اور دو عادل شخص اس کی گواہی بھی دیدیں کہ یہ وہی عورت ہے جسکے متعلق گواہی دینا چاہتے ہو اور یہ اُسی کی آواز ہے - یا اُس وقت تک

دوسرے قوانین اور احکام میں شارع مقدس کی جانب سے ترجیح
کی گئی ہیں ۔ اصول یہ ہے کہ جب دو کلیے آپس میں ٹکرائیں تو جو اہم
ہوگا وہ دوسرے پر مقدم ہوگا ۔
اب جبکہ ہم یہ دیکھیں کہ ہر جگہ پردہ کے حکم سے دوسرے کلیہ
پر اثر پڑا ۔ پردہ کے حکم پر اثر نہیں پڑا تو یہ آفتاب سے زیادہ روشن
ثبوت اس کا ہوگا کہ شریع کی نظر میں پردہ اہم سے اہم چیز ہے ۔
یہ ایک وسیع باب ہی جس میں بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر اس
موقع پر چند مثالیں پیش کر دینے پر اکتفا کی جاتی ہے ۔
ایک یہی احرام کا باب ہے ۔ یہاں دو کلیے اپنی اپنی جگہ پر
ہیں ۔ ایک یہ کہ حالت احرام میں چہرہ کھلا ہوا ہونا چاہیے ۔ دوسرا
یہ کہ نامحرم سے پردہ ضروری ہے یہ دونوں ٹکراتے ہیں اس وقت
جب حالت احرام میں مرد سامنے آجائے ۔ اس کلیہ کا تقاضا یہ
ہے کہ اب بھی چہرہ کھلا رہنے دیا جائے ۔ دوسرے کلیہ کا تقاضا
یہ ہے کہ چہرہ اس وقت ڈھانکنے کی اجازت ہو جائے ۔
اگر پہلے کلیہ کو مقدم کر کے اس حالت خاص میں چہرہ کے
کھلے رہنے کا حکم بھی ہو جاتا تب بھی یہ نتیجہ نہیں نکال جاسکتا تھا
کہ بجائے خود پردہ کا قانون کوئی چیز نہیں بلکہ صرف یہ ثابت
ہوتا کہ حالت احرام میں حج کے مفاد کو پردہ کے مفاد پر شریعت
نے مقدم کیا ہے ۔ مگر آپ نے دیکھ لیا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ شریعت

جناب شیخ مفید مقنعہ میں فرماتے ہیں: تسقط صلوٰۃ الجمعۃ مع الامام عن تسعۃ الطفل الصغیر والھرم الکبیر والمرأۃ

"یعنی امام کی موجودگی میں بھی عورت پر سے جمعہ ساقط ہے"

جناب شیخ الطائفہ مبسوط میں فرماتے ہیں

ومن لا تجب علیہ ولا یہ فھو الصبی و المجنون والعبد والمسافر والمرأۃ (مبسوط مطبوعہ ایران)

ایسا ہی سرائر ابن ادریس میں بھی ہے۔

محقق حلی سرائع میں لکھتے ہیں کہ "جمعہ کے وجوب کے لیے ذکوریت شرط ہے اور عورت اگر جمعہ میں آ کر شریک ہو تو وہ اس تعداد میں جو نمازیوں کی جمعہ کے لیے ضروری ہے شمار نہ ہوگی۔ (شرائع ص۲۵)

اپنی دوسری کتاب معتبر میں شرائط وجوب جمعہ میں ذکوریت یعنی مرد ہونے کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے علیہ اجماع العلماء" (صفحہ ۲۰۵)

چھٹے عام اصول یہ ہے کہ گھر سے افضل مسجد خانہ مسجد خانہ سے افضل مسجد محلہ اور مسجد محلہ سے افضل مسجد جامع ہے یعنی جتنا اجتماع بڑھتا جائے اتنا ثواب زیادہ۔ مگر عورتوں کے لیے فضیلت کے قدم برعکس جاتے ہیں۔ یعنی مسجد سے زیادہ ثواب گھر میں۔ اور گھر کے صحن سے زیادہ ثواب اندر کمرے میں۔ اس

حتی تبرز وثبتھا بعینھا
فوتم علیہ السلام تتنقب
وتظھر للشھود

گواہی جائز نہیں جبتک کہ وہ سامنے نہ آئے
اور یہ اُسے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے
حضرت نے تحریر فرمایا کہ وہ چہرہ پر نقاب ڈالے
اور پھر گواہوں کے سامنے آئے۔

یہاں بھی گواہی کے ایسے اہم موقع پر پردہ کے مفاد کو مدنظر رکھا گیا۔ اور اس سے ایک اور ثبوت اس کا بھی ملا کہ چہرہ پردہ سے مستثنیٰ نہیں ہے ورنہ نقاب کا حکم دینے کی ضرورت نہ تھی بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ پردہ کے باب میں چہرہ کی خاص اہمیت ہے۔ اس لیے اُسکے پردہ یعنی نقاب کا تذکرہ خصوصیت سے ضروری سمجھا گیا۔

تیسرا موقع نماز جمعہ کا ہے اُس صورت میں کہ جب امام معصوم نماز پڑھانے کے لیے موجود ہوں تو یقیناً ہر ایک شخص پر واجب عینی ہے۔ اور زمانۂ غیبت امام میں اختلاف سہی مگر بعض علماء اس صورت میں بھی وجوب عینی کے قائل ہیں اور بعض واجب تخییری کہتے ہیں تو اُسے افضل الفردین (یعنی جمعہ اور ظہر دونوں فردوں میں افضل) قرار دیتے ہیں۔

بہرصورت عورت اس حکم سے خارج ہے۔ نہ وجوب عینی کی صورت پر اُس پر جمعہ میں حاضر ہونا واجب اور نہ وجوب تخییری کی صورت میں اُس کے لیے ایسا کرنا افضل۔ کیا پردہ کے لحاظ کے سوا اس کا سبب کچھ اور ہے؟

بعد ما یغتسلون وان کانت المیّت امرأۃ مسلمۃ بین رجال مسلمین و نسوۃ نصرانیۃ اغتسلت نصرانیۃ و غسلتھا۔

دیں اور اگر عورت کا انتقال ہوا اور بس مسلمان مرد ہوں اور عیسائی عورتیں تو عیسائی عورت نہا کر اسے غسل دے۔

جناب شیخ مفید طاب ثراہ مقنعہ میں فرماتے ہیں:۔

اذا مات رجل مسلم بین رجال کفار و نساء مسلمات لیس لہ فیھن محرم امر بعض الکفار بالغسل و غسلہ بتعلیم النساء غسل اھل الاسلام وکذلک ان ماتت امرأۃ مسلمۃ بین رجال مسلمین لیس فیھم لھا محرم و نساء کافرات امر الرجال امرأۃ منھن ان تغسلھا۔ علموھا تغسیلھا علی سنۃ الاسلام

اس میں "عیسائی" کا ذکر نہیں بلکہ مطلق غیر مسلم کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ غسل دے اور اگر میت مرد ہے تو اُسے غسل دینے والے کافر مرد کو مسلمان عورتیں بتائی جائیں کہ اس طرح غسل دو اور اگر میت عورت ہے تو غسل دینے والی کافر عورت کو مسلمان مرد تعلیم دیدیں کہ یوں غسل دیا جائے"

انتہا ہے کہ اگر نابالغ لڑکی تین برس سے زیادہ کی ہو تو اُسے مسلمان مرد غسل دے تو سکتے ہیں مگر حکم یہ ہے کہ:۔

میں پردہ کا خیال بالکل ظاہر ہے۔

علامہ حلی فرماتے ہیں: ویکرہ للنساء الاتیان الی المساجد لما فیہ من التبرج المنھی عنہ قال الصادق خیر مساجد نسائکم البیوت۔

پانچویں نماز ظہر و عصر میں اخفات اور نماز صبح، مغرب اور عشا میں جہر کا حکم ہے مگر عورت کے لیے ان نمازوں میں اخفات کی اجازت ہے اور نامحرم قریب ہو تو اخفات یعنی آہستہ پڑھنا معین ہے۔

چھٹے غسل میت۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک فریضۂ اسلامی ہے جو بطور عبادت انجام پاتا ہے۔ اس لیے غسل دینے والے کا مسلمان ہونا ضروری ہے مگر مرد اور عورت کے باہمی پردہ کا خیال اتنا اہم ہے کہ اس شرط کو نظر انداز کر دینا پڑتا ہے۔

کتاب فقہ الرضا ؑ میں جو خاتمۃ المحدثین علامہ سید حسن صدر رحمہ اللہ کی تحقیق میں دراصل محمد بن علی سلمغانی کی کتاب التکلیف ہے اور بہرحال دوسری یا تیسری صدی ہجری کے تصانیف میں سے ہے لکھا ہے:۔

ان مات میت بین رجال نصاری و نسوۃ مسلمات غسلہ الرجال النصاری

اگر کسی مرد کا انتقال ہو جائے اور بس عیسائی مرد موجود ہوں اور مسلمان عورتیں تو عیسائی مرد نہلا کر اسے غسل

الرجال -

اس کا بھی خلاصہ یہی ہے کہ اذان اور اقامت عورتوں کے لیے نہیں ہے اور اگر دیں بھی تو اس طرح کہ مرد آواز نہ سنیں -

محقق رحمہ اللہ نے بھی معتبر میں اس پہ زور دیا ہے اور امام جعفر صادق ع کی حدیث نقل کی ہے -

عن المرأة تؤذن قال حسن ان فعلت ولا تؤذن للرجال لانها صوتها عورة -

"دریافت کیا گیا کہ عورت کو اذان دینا چاہیے؟ فرمایا اچھا ہے اگر اذان دے مگر مردوں کو آواز نہ سنائے - اس لیے کہ اس کی آواز بھی عورت ہے - یعنی چھپانے کی مستحق ہے"

(معتبر صـ۱۶۱)

علامہ حلی نے تذکرۃ الفقہاء میں فرمایا ہے :-

لو اذنت للرجال لم یعتد و ابہ لانہ عورۃ فاجھر منھی عنہ

ولیس علی النساء اذان ولا اقامۃ لکنّھنّ یتشھدن بالشھادتین عند وقت کل صلوٰۃ ولا یجھرن بھما لئلا یسمع اصواتھن لرجال ولو اذن واقمن علی الاخفات للصّلوٰۃ لکن بذالک ماجورات ولم یکن بہ ماذورات الّا انّہ لیس بواجب علیھن کوجوبہ علی الرّجال۔

"عورتوں کو اذان واقامت کا حکم نہیں ہے بس وہ ہر نماز کے وقت شہادتین زبان پر جاری کر لیا کریں اُسے بھی بلند آواز سے نہ کہیں کہ مردوں تک اُن کی صدا پہونچے اور اگر نماز میں آہستہ اذان دے لیں اور اقامت کہہ لیں تو اُنھیں اس کا ثواب ملے گا گناہ نہیں ہوگا مگر حکم تاکیدی اُن کے لیے ویسا نہیں ہے جیسا مردوں کے لیے ہے۔" (مقنعہ مطبوعہ طہران صـ۲۵)

ابن ادریس نے سرائر میں فرمایا ہے۔

ولیس علی النساء اذان ولا اقامۃ بل تتشھدن الشھادتین بدلا من ذلک فان اذّن واقمن کانّ افضل الّا انّھن لا یرفعن اصواتھن اکثر من اسماع انفسھن ولا یسمعن

سن رہے ہوں اور اس کو علم ہو تو حرام ہے اور صحیح بھی نہیں ہے
اس لیے کہ عبادت کا بطور ممنوع ہونا باعث بطلان ہے۔

(آٹھویں) نماز جماعت میں ضروری ہے کہ امام اور ماموم
کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو مگر عورتوں کا پردہ وہ چیز ہے جس
کی وجہ سے اُن کے لیے یہ حکم باقی نہیں رہا۔

وقد رخص للنساء ان یصلین مع الامام من وراء
الحوائل (مبسوط - شیخ الطائفہ مطبوعہ طہران)

شرائع میں ہے: ولا تصح مع حائل بین الامام و
المأموم یمنع المشاهدة الا ان یکون المأموم امرأة (مطبوعہ
طہران ص۳۲)

معتبر میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے - فرماتے ہیں:-

قال الشیخ لا یجوز ان یؤم المرأة من وراء الجدار
ولعله استنبط دالی روایة عمار عن ابی عبد الله قال
سألته عن الرجل یصلی بالقوم وخلفه دار فیها نساء هل
یصلین خلفه قال نعم قلت ان بینه وبینهن حائطا وطریقا
قال لا بأس ویؤید ذلك ان المرأة عورة والجماعة عبادة
مهمة فی نظر الشرع فجمع لها بین الصیانة وتحصیل الفضیلة
ویستوی فی ذلك الحسناء والشوهاء والشابة والمسنة

* یعنی شیخ طوسیؒ نے کہا ہے کہ عورت دیوار کے پیچھے سے جماعت

" اگر مردوں کی جماعت کے لیے عورت اذان دے تو اُسے کافی نہیں سمجھنا چاہیے اس لیے کہ وہ عورت ہے (یعنی پردہ اُس کے لیے ضروری ہے لہذا آواز بلند کرنے کی اُسے ممانعت ہے اور ممانعت عبادت کو باطل کر دیتی ہے "

شہید ثانی رحمہ اللہ مسالک ——— میں فرماتے ہیں :-

انما یشترط اسرارھا حیث یستلزم الجھر سماع الرجل. اما مع عدمہ فتتخیر بین السر والجھر وان کان السر افضل

(یعنی آہستہ کہنے کی شرط عورت کے لیے اُس وقت ہے جب آواز بلند کرنے سے غیر مرد کے سننے کا اندیشہ ہو لیکن اگر کوئی غیر مرد سننے والا قریب موجود نہ ہو تو اختیار ہے بے شک آہستہ کہنا اُس وقت میں بھی افضل ہے "

شہید ثانی رحمہ اللہ روض الجنان فی شرح ارشاد الاذہان (مطبوعہ طہران صـ ۲۳۹) میں فرماتے ہیں :-

(انما یستحب للمرأۃ بل یشرع اذا لم تسمع اذانھا ولعا منھا الرجال الاجانب فان سمعوا مع علمھا حرم ولم یعتد بہ للنھی المفسد للعبادۃ

اذان و اقامت کی مشروعیت عورت کے لیے اُس وقت ہے جب اُس کی اذان و اقامت کو غیر مرد نہ سنیں، ورا گر غیر مرد

کے ہوتے ہوئے امکانی حدود تک اُن خطرات سے بچنے کی کوشش مستحسن ہے جو طریق کار ممکن درجہ تک خطرات سے بچنے کا ذریعہ ہو اُس کا اختیار کرنا عقلاً پسندیدہ ہے۔

مذکورہ بالا امور میں سے کوئی ایک امر بھی غالباً شک و شبہہ کی آماجگاہ بننے کے قابل نہیں ہے

اب اس کے بعد یہ دیکھیے کہ عزت و شرف ناموس قابل حفاظت چیز ہے یا نہیں۔ پردہ کی پہلی قسم میں اخلاقی حجاب کے بیان میں میں لکھ چکا ہوں کہ ہمارے ہندوستان کا فکر و خیال ابھی تک اس نقطہ تک نہیں پہونچا ہے کہ وہ عزت ناموس کو قابل قدر اور لائق حفاظت نہ سمجھے۔ اس پر بہرحال سب متفق ہیں اور شرقی مزاج طبیعت ابھی تک اس نقطہ سے ہٹ نہیں سکتا اس لیے اس پر بحث و استدلال کی کوئی ضرورت نہیں باقی رہتی۔

یہ عزت ناموس کی دولت خطرات کا مرکز ہے یا نہیں بالکل ظاہر ہے جذبہ نسوانی اور طبیعت مردانہ بقول شخصے مقناطیس و آہن ہے یا آتش و خرمن۔

سید باقر صاحب قبلہ کے ایسے بے نفس ملکوتی صفات انسان نے اپنی کتاب میں "تائیدی حیثیت سے بار بار شاعر عرب کا یہ قول دوہرایا ہے:۔

میں شریک ہو سکتی ہے۔ غالباً اس کا مستند عمار کی روایت ہے امام جعفر صادق ؑ سے دریافت کیا کہ ایک شخص نماز پڑھا رہا ہو اور اُس کے پیچھے ایک مکان ہو جس میں عورتیں ہیں تو یہ اُس کے پیچھے نماز پڑھ سکتی ہیں؟ حضرت نے فرمایا ہاں پڑھ سکتی ہیں سائل نے کہا اُس مرد اور ان عورتوں کے بیچ میں دیوار ہے اور راستہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کچھ حرج نہیں۔ مویداس حکم کی یہ ہے کہ صنف نسواں عورت ہے (یعنی پردہ اُس کے لیے ضروری ہے) اور نظر شارع میں نماز جماعت ایک اہم عبادت ہے لہذا ایسی صورت نکالی گئی کہ پردہ کی پابندی بھی ہو اور فضیلت بھی حاصل ہو جائے اور اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہے کہ عورت خوبصورت ہو یا بدصورت اور جوان ہو یا سن رسیدہ (معتبر مطبوعہ طہران ص ۴۳۹) علامہ حلی ؒ تذکرۃ الفقہاء میں بھی یہی مضمون درج فرمایا ہے۔

اتنے نظائر ہمارے اس دعوے کے اثبات میں کافی ہیں کہ جب دوسرے قوانین شرع اور پردہ کے قانون سے تصادم ہو تو پردہ کا حکم دوسرے قوانین پر اثر انداز ہو جاتا ہے اور یہ اسلامی نقطۂ نظر سے پردہ کی اہمیت کا ایک قطعی ثبوت ہے۔

پردہ کے عقلی پہلو کیا ہیں؟

عزیز اور قابل حفاظت شے کا تحفظ ضروری ہے خطرات

حکام اعلیٰ جن کی حفاظت بھی زیادہ ضروری اور جن کے دشمن بھی کثرت ہوتے ہیں اُن کی حفاظت کے لیے باڈی گارڈ ہوتے ہیں اور وہ بلاضرورت مارے مارے نہیں پھرا کرتے۔

خلاصہ یہ کہ ہر شے جتنی زیادہ عزیز ہو جتنے زبان اُسکے طالب ہوں اور جتنے اُس کے لیے خطرات ہوں اُتنا ہی اُسکے لیے حفاظت کا سامان ہوتا ہے۔ اب متاع گراں مایۂ عزت و شرافت کے متعلق اپنے پیمانۂ نگاہ کا اندازہ کریجیے کہ وہ آپ کے نزدیک کس قدر قیمتی ہے۔ اگر ضروری کا غذات سے زیادہ قیمتی نظر آئے اگر روپیہ سے زیادہ بیش قیمت معلوم ہو اگر آپکے اثاث البیت اور ہر مال و متاع سے بڑھ کر اُس کی عزت محسوس ہو بلکہ اکثر شرفا کی نگاہ میں جان سے زیادہ عزیز معلوم ہو تو پھر اُس کی حفاظت میں اتنا ہی زیادہ انہماک بھی صرف کرنا ہو گا اور اس صورت میں پردہ کو ہرگز قابل اعتراض نہیں سمجھا جا سکتا

ظاہر ہے کہ کسی امر کے ثبوت کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک مقتضی کا موجود ہونا دوسرے موانع کا مفقود ہونا۔

پردہ کے متعلق مقتضی کے ثبوت کے لیے اتنا بیان کافی ہے۔ رہ گیا موانع کا برطرف ہونا اُس کے لیے ضرورت ہے کہ

انّ من لم یعشق الوجہ الحسن قرّب الرجل الیہ والرّسن

"جو حسین چہرہ کو دیکھ کر دلدادہ نہ ہو جائے وہ آدمی نہیں جانور سمجھے جانے کا مستحق ہے۔"

مقصد بظاہر یہ ہے کہ شعورِ حسن اور تاثر کا ہونا انسانی ادراک کا لازمہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بلند نظر پابند آئین قدسی صفت انسان اس احساس کو فرض شناسی کے بارے دبا کر عمل کی منزل میں جذبات کو کارفرما نہیں ہونے دیتا مگر ایسے قدسی صفت انسان دنیا میں کتنے ہیں۔ دنیا جیسے انسانوں سے بھری پڑی ہے وہ تو وہی ہیں جن میں قوت شعور و تاثر موجود ہے اور ضبط نفس کی قوت مفقود ہے۔ ایسی حالت میں خطرات کا اندیشہ قطعی ہے۔

پردہ ان خطرات سے بچنے کا امکانی ذریعہ ہے اس لیے عقلاً اس کا اختیار کرنا لازم ہے۔

نظیریں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ضروری کاغذات بکس میں بند کر کے رکھے جاتے ہیں۔ جواہرات صندوقوں میں مقفل کیے جاتے ہیں۔ زرنقد کے لیے تجوریاں بنائی گئی ہیں جہاں انھیں محفوظ رکھا جاتا ہے۔

سوتے وقت گھروں کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ بنک کے دروازہ پر قفل کے ساتھ ساتھ پہرہ دار مقرر ہوتے ہیں۔

قائم رہیں ہی گی تو اس صورت میں تیرِ ہوس کا پہلا نشانہ وہی ہوگا
جس سے دامنِ عفت بالکل تار تار نظر آئے ۔ یوں سمجھیے یہ چہرہ
کی نقاب ایک قلعہ ہے جس سے ہوس کے تیر ٹکرا ٹکرا کر گر جاتے
ہیں اور نگاہِ ہوس کو آگے بڑھنے کا حوصلہ ہی نہیں ہو سکتا
لیکن اگر نقاب نہ ہو اور اس کے بعد ہوس کی ناوک افگنی
جاری رہے تو پھر براہِ راست خطرہ کا مرکز وہی سرمایہ آبرو
ہوگا جس کا تحفظ شرفاء جان سے بھی مقدم سمجھتے ہیں۔

دوسرا اعتراض اگر پردہ اٹھنے کی صورت میں وہ خطرات صحیح سمجھے جائیں جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو
چاہیے کہ یورپ میں جہاں پردہ نہیں ہے اس قسم کے شرمناک
واقعات بکثرت واقع ہوں حالانکہ صورتِ حال اس کے بالکل
برعکس ہے ۔ ہندوستان میں ایسے شرمناک واقعات آئے دن
ہوا کرتے ہیں اور اخباروں تک میں شائع ہو جاتے ہیں جبکہ یورپ کے
اخبارات ایسے اطلاعات سے خالی ہوتے ہیں اس کے معنی یہ
ہیں کہ پردہ نہ ہونے کی صورت میں اخلاقی نقصانات کا تصور
ایک توہم ہی توہم ہے اس میں حقیقت نہیں ہے ۔

جواب ہندوستان میں ایسے واقعات ہمارے گوش زد
اس لیے زیادہ ہوتے ہیں کہ وہ ایک غیر معمولی اور شاذ و نادر حیثیت
رکھتے ہیں ۔ اس لیے جب کہیں کوئی ایسی صورت پیدا ہوتی ہے

پردہ کے خلاف جو پہلو پیش کیے جاتے ہیں اُن کا ایک ایک کرکے تذکرہ کیا جائے اور اُنھیں رد کیا جائے۔ جب وہ رد ہو جائیں گے تو پھر پردہ کے ضروری ہونے میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہ رہے گی۔

پہلا اعتراض | طبیعت انسانی کا خاصّہ ہے کہ جس چیز سے روکا جائے اُسی کی تمنا ہوتی ہے اس مضمون کی عربی کی مثل مشہور ہے الانسان حریص علی ما منع اس لحاظ سے پردہ کا نظام خود ہوس کے بڑھانے کا ذریعہ ہے اور اگر پردہ اُٹھا یا جائے تو ہوس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

جواب | پردہ یعنی نقاب یا برقع اُٹھانے کے بعد بھی صنفی معاشرت میں کسی نقطہ پر تو ہمارے مشرق کے آزاد خیال مصلحین بھی پابندی عائد کرنا ضروری سمجھتے ہیں یعنی بالکل مطلق اور بلا قید اختلاط صنفی کی آزادی دینے کیلئے وہ بھی حامی نہیں ہیں اور جبکہ یہ اصول ہے کہ جس چیز سے روکا جائے اُسی کی ہوس ہوتی ہے تو موجودہ حالت میں جبکہ پردہ کی پابندی ہے اور چہرہ پر نقاب ہے تو ابتلا مرکز تمنا صرف چہرہ کا دیدار ہو جاتا ہے۔ اور بہت سے خوش قسمت وہ ہوں گے جو رخ کی ایک جھلکی ہی پر اپنے کو کامیاب سمجھ لیتے ہیں لیکن اگر چہرہ کی نقاب کو اُٹھا دیا جائے اور برقع کی پابندی نہ رہے لیکن اُس کے بعد کی منزلوں میں معاشرتی پابندیا

محفوظ ہے۔ اللہ اس کو یوں ہی محفوظ رکھے۔

تیسرا اعتراض اگر پردہ اُن خطرات سے تحفظ کا ذریعہ ہوتا جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو اُن گھرانوں میں جہاں پردہ کی پابندی ہے اس قسم کے شرمناک واقعے کبھی ظہور میں نہ آتے حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ تو پھر پردہ سے کیا فائدہ ہے

جواب ہمارے اُن گھرانوں میں جہاں پردہ کا رواج ہے اکثر و بیشتر پردہ کی پابندی اُن اصول کے ساتھ ہوتی نہیں جو شرع نے مقرر کیے ہیں۔ شرع نے محرم اور نامحرم کے حدود جو مقرر کیے تھے اُن کے برخلاف رواجی طور پر محرم و نامحرم خود مقرر کیے گئے ہیں۔ مثلاً شریعت نے بھائی کو محرم قرار دیا تھا۔ بھائی کے معنی تھے اپنے باپ اور ماں کی اولاد۔ سگے چچا کا بیٹا اور سگے ماموں کا بیٹا تک شرعاً ابن العم اور ابن الخال ہے۔ بھائی نہیں ہے مگر ہمارے ہندوستانی تمدن نے بھائی کے دائرہ کو بہت وسیع کر دیا۔ یوں ہی ماموں۔ اپنے حقیقی نانا اور نانی کی اولاد۔ چچا اپنے حقیقی دادا اور دادی کی اولاد کو کہتے ہیں۔

یہاں رشتہ کے ماموں اور رشتہ کے چچا کو لیکے مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کر دی گئی۔ کسی سے پوچھیے یہ آپ کے کون ہیں پہلی مرتبہ جواب مل جائیگا۔ بھائی یا چچا یا ماموں یا دادا یا نانا۔ اب اگر دوسرا دے کے آپ ذرا تحقیق طلب انداز سے پوچھ لیجیے آپ کے

تو اُس کا چرچا بھی ہوتا ہے اور اخباروں میں بھی اشاعت ہوتی ہے لیکن یورپ میں اس طرح کے واقعات اتنے عام اور کثیر الوقوع ہو گئے ہیں کہ اُن کے بیان کرنے اور سننے میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی ہے۔ اس لیے نہ اُن کا چرچا ہوتا ہے اور نہ اخباروں میں اُن کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اخباروں میں تو وہی چیز شائع ہوتی ہے جس میں کوئی ندرت ہو۔

ایک مرتبہ ایک اخبار میں میں نے اخبار کے لائق خبر کا معیار پڑھا ہے۔ اُس میں لکھا تھا کہ اگر کوئی کتا کسی آدمی کو کاٹ کھائے تو یہ کوئی ایسی خبر نہیں جو اخبار میں شائع ہو لیکن اگر کوئی آدمی کسی کتے کو کاٹ لے تو یہ اخبار میں شائع ہونے کی خبر ہوگی بس اب سمجھ لیجیے کہ ہندوستان میں اس طرح کی بداخلاقی کے شرمناک واقعات ابھی تک ایسے ہیں جیسے آدمی کتے کو کاٹے اس لیے اُن کی اشاعت ہوتی ہے۔ اور یورپ میں اس طرح کے واقعات کی حیثیت وہی ہے جیسے کتا آدمی کو کاٹے اس لیے اُن کی اشاعت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

پھر بھی مردم شماریوں سے ورثا جائز پیدائشوں کے اعداد سے اُس ہولناک تمدنی بربادی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو یورپ میں بے پردگی کے نتائج میں ہو چکی ہے اور ہونے والی ہے۔ جس سے ہندوستان خدا کے فضل سے صرف پردہ کی بدولت

بچہ جواب بڑا بھی ہو گیا ہو۔ اتنا کا ذکر ایک کا بیٹا مخصوص شرائط کے تحت شرعاً برادر رضاعی قرار پاتا ہے لیکن کھلائی کا لڑکا بھی بچپن میں پڑھانے والا مولوی، میاں جی اور ماسٹر یہ سب ہی پردہ سے مستثنیٰ ہیں۔ غرض یہ کہ محرم اور نامحرم کی تفریق میں شرع کے اختیارات کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے اور پھر سمجھتے ہیں کہ ہم پردہ ایسی شریعت کے پابند ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ پردہ کو بحیثیت فریضہ شرعی کے اُن حدود کے ساتھ انجام ہی نہیں دیتے بلکہ رواجی طور پر اپنے رسم و رواج کے اصول و قواعد کے ساتھ اس پر عملدرآمد رکھتے ہیں

شرفاء کے گھرانوں میں کبھی کبھار جو اس قسم کے واقعات کبھی خدانخواستہ ہوں جن کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اکثر ایسے ہی اشخاص کی بدولت جنھیں شریعت نے محرم قرار نہیں دیا ہے۔ مگر رسم و رواج میں انھیں پردہ سے مستثنیٰ کر دیا گیا اور اس لیے وہ خراب نتائج پیدا ہوئے۔ اور اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب اس محدود دائرہ میں بے پردگی ایسے خراب نتائج پیدا کر سکتی ہے تو لامحدود درجہ تک جو بے پردگی ہوگی وہ کیسے خراب نتائج پیدا کر سکے گی۔

چوتھا اعتراض | پردہ نوع انسانی کے نصف حصہ کو بے کار مسلسل بنا دیتا ہے اور کشمکش حیات میں حصہ

بھائی ہیں؟ یا آپ کے چچا ہیں ؟ یا آپ کے نانا ہیں ؟ وغیرہ۔ تو اکثر یہ جواب ملیگا کہ جی ان بھائی ہوتے ہیں ۔ چچا ہوتے ہیں ۔ یا نانا ہوتے ہیں ۔ اس ہوتے ہیں کا مطلب کیا ہوتا ہے ؟ یعنی بھائی ہیں نہیں ۔ چچا ہیں نہیں ۔ ماموں ہیں نہیں ۔ بلکہ کسی دور کے ذریعہ سے رشتے لگا کر بھائی، چچا، ماموں بنا ئے گئے ہیں ۔ بھائی ہیں یعنی دادا کے چچا زاد بھائی کے مثلاً پوتے ہیں ۔ ماموں ہیں یعنی والدہ کے ماموں زاد بھائی ہیں ۔ چچا ہیں یعنی والد کے چچا زاد بھائی ہیں ۔ دادا ہیں یعنی دادا کے خالہ زاد بھائی ہیں ۔ نانا ہیں یعنی نانا کے پھوپھی زاد بھائی ہیں یہ تو قریب کے رشتوں کا درجہ ہے اور اس کے آگے بھی اضافتوں کی کثرت سے حدود میں آگے بھی وسعت ہوتی ہے ۔ پھر یہ تو نسبی رشتے ہیں ۔ اس کے علاوہ ایک عورت کے لیے بہنوئی جیٹھ ۔ دیور ۔ سب ہی محرم بنا دیئے گئے ہیں ۔ بڑا بہنوئی اور جیٹھ بڑے بھائی اور زیادہ سن کے تفاوت میں باپ کے برابر اور چھوٹا بہنوئی اور دیور چھوٹے بھائی یا بیٹے کے برابر سمجھا جاتا ہے ۔

ان رشتوں کے ساتھ پردہ کو غیریت کا مظاہرہ قرار دے کر برا سمجھا جاتا ہے ۔ پھر اکثر رؤسا اور نوابین کے یہاں تو گھر کا بہشتی ۔ گھر کا ملازم گھر کی بھائی ماما کا گھر میں پلا ہوا

علی بن ابیطالب کا کام - اور گھر میں سوت کاتنا چرخہ چلانا چکی پیسنا اور بچوں کی تربیت کرنا حضرت فاطمہ زہرا کا کام -
ظاہر ہے کہ دونوں خردیں کشمکش حیات میں معروف عمل ہیں مگر گھر کے باہر کے کام مرد سے متعلق ہیں اور گھر کے اندر کے کام عورت سے متعلق ہیں - انتظام خانہ داری عورت سے متعلق اور تحصیل معاش کا بار مرد کے سر -

دونوں صنفوں کے خصوصیات طبیعت جو قدرت کی طرف سے ودلیعت ہیں وہ بھی اسی کے متقاضی ہیں - انتظام و تدبر کا تعلق قوت خیالی کے ساتھ ہے جو نفسیاتی طور پر عورت میں غالب ہیں - اور تحصیل معاش کا تعلق قوت جسمانی اور جوش عمل کے ساتھ ہے جو مرد میں فراواں ہے -

اسی طرح طاقت کا غلبہ اور تحفظ اقتدار کی صلاحیت مرد میں زیادہ ہے اس لیے اسلام نے مرد کو عورت کا محافظ قرار دیا اور اعلان کیا کہ الرجال قوامون علی النساء -

آج کا مرد جو کشمکش حیات کے میدان میں عورت کو اپنے دوش بدوش بلانا چاہتا ہے یہ حقیقۃً اپنی پست ہمتی کا مظاہرہ ہے - جب خود اکیلا اس وقت کے معاشی مشکلات میں ناکارہ ثابت ہو رہا ہے تو عورت کو مدد کے لیے بلاتا ہے - حالانکہ ابھی جبکہ میدان مقابلہ میں صرف مرد ہیں تب تو بہت سے مردوں

لینے سے مانع ہے ۔
جواب کا زائد ہونا ہر شے کا اپنے اعتبار سے ہوتا ہے ۔ اگر یہ مان
لیا جائے کہ زندگی کے کام وہی ہیں جنھیں مرد انجام دیتا ہے تو چونکہ
عورت پردہ کی وجہ سے اُن کاموں کو انجام نہیں دیتی تو یہ سمجھا
جاسکے گا کہ وہ بیکار ہوگئی مگر یاد رکھنا چاہیے کہ نظام حیات
کا کارخانہ بہت وسیع ہے جس کے کچھ کل پرزے اوپر کام کرتے ہیں
اور کچھ اندر کام کرتے ہیں اور سب کی شرکت سے اس نظام حیات
کی تکمیل ہوتی ہے ۔

عورت اور مرد میں فطری حیثیت سے تفرقہ ہے اور بہت
سے کام تعمیر نوع کے عورت کے ذمہ ایسے ہیں جن میں مرد اس کے
ساتھ کوئی حصہ نہیں لے سکتا ۔ تو کیوں نہ مرد کے ذمہ بھی کچھ فرائض
ایسے ہوں جن میں عورت حصہ نہ لے سکے ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ
عورت بے کار ہوگئی بلکہ تقسیم عمل کے ساتھ ہر ایک صنف اپنے
شعبہ میں باکار رہتی ہے ۔

اسلام جو نبض شناس فطرت بشری ہے اُس نے عورت
اور مرد کی فطرت کے تفرقہ کے ساتھ ساتھ تقسیم عمل سے کام لیا ہے
اس تقسیم عمل کو پیغمبر اسلام کی گود کے پلے ہوئے مرد اور عورت
حضرت علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا علیہما السلام نے عملی طور پر دکھلا
دیا ۔ باغوں میں جانا ، کنویں سے پانی کھینچنا ، آب کشی کرنا حضرتؑ

پانچواں اعتراض | پردہ عورتوں کو تعلیم و ترقی کے حصول سے مانع ہے۔

جواب | تعلیم کے معنی مطلق حصول علم کے لیے جائیں اور علم سے مراد فائدہ رساں علم مراد لیا جائے تو یہ بالکل غلط ہے کہ پردہ عورتوں کو ایسا علم حاصل کرنے سے مانع ہے۔ ہاں اگر تعلیم سے مراد صرف کالج اور یونیورسٹی کے علوم متعارفہ اور اُن کی ڈگریاں ہیں تو پردہ کی پابندی کے ساتھ اس حصول میں دشواری سمجھی جا سکتی ہے۔ مگر طبقہ نسواں کے لیے ان علوم کی افادیت بڑی حد تک قابل بحث ہے۔

یہ بھی غلط ہے کہ پردہ حصول ترقی میں مانع ہے ہر طبقہ اور ہر صنف کی ترقی یہ ہے کہ اپنے خصوصیات کے اندر ترقی کرے۔

مثال کے طور پر ایک بڑھئی کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ شاعری اچھی کرنے لگے۔ ایک شاعر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ مریضوں کا علاج اچھا کرنے لگے۔ ایک ڈاکٹر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ کپڑے اچھے سینے لگے۔ ایک درزی کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ منطقی مسائل پر بحث اچھی کرنے لگے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر شعبہ کے ماہر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے شعبہ کو جاننے لگے۔ بلکہ اُس کی ترقی یہ ہے کہ وہ اپنے شعبہ میں زیادہ ماہر ہو جائے۔ یوں ہی مرد اور عورت جو دو صنفیں ہیں ان میں جس طرح مرد کی یہ ترقی نہیں ہے کہ وہ

کو قدم ٹکانے کی جگہ نہیں ملتی اور اگر کہیں اس میدان میں عورتیں بھی آگئیں تب کیا عالم ہوگا اور مرد کس کام کے رہیں گے اور پھر جو عورت کے فرائض خاص اور خانہ داری کی ذمہ داریاں ہیں اُن میں کمی کمی ہوگی نتیجہ یہ ہوگا کہ عورت اپنی نسوانیت کے شعبہ میں بے کار اور مرد اپنے مردانہ جدوجہد کے شعبہ میں بےکار۔ وہ گھروں کے بجائے محکموں اور کارخانوں میں اور مرد محکموں اور کارخانوں کے بجائے گھر کے اور سینماؤں میں۔

فرصت کے اوقات میں دونوں ہی بجائے زینت کا شانہ ہونے کے زیب تماشا گاہ کبھی محو تماشا اور کبھی خود تماشا۔

گھر بار نوکروں پہ اور بچے بھی نوکرانی پہ۔ یہ ہے سچی تصویر اُس موجودہ تمدن کی جس میں گھر برباد ہوتے ہیں۔ اور سینما آباد ہوتی ہیں۔

نہ مرد ہی کام کے رہتے ہیں اور نہ عورتیں ہی حقیقت میں کام کی رہتی ہیں۔ اس سے ہزار درجہ بہتر ہمارا پردہ کا نظام ہے جس میں بقول مخالف آدھی صنف انسانوں کی بیکار رہتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دونوں اپنے اپنے شعبوں میں باکار ہیں۔ اور مساوی طور پر تقسیم عمل کے ساتھ کشمکش حیات میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

ہے کہ طریقہ اُس کا کیا بتایا گیا ہے ۔
کسی درسگاہ کا بچہ اور معاذ اللہ سیرگاہ کا کیا تذکرہ ہو سکتا
ہے حضرت سیدۂ عالم تو کبھی اپنے والد بزرگوار کے موعظہ میں آ کر
نہیں شریک ہوئیں ۔ حالانکہ بیت الشرف مسجد رسولؐ سے متصل
تھا اور صحن مسجد میں دروازہ تھا ۔ کیا آپ کو اپنے مقدس باپ
کے موعظے سے استفادہ کا اشتیاق نہ تھا ۔ ضرور تھا اور اس کا
نتیجہ ہے کہ جب بڑا شاہزادہ حسن مجتبیٰ مسجد سے واپس ہوتا تھا
تو سیدۂ عالم پوچھتی تھیں کہ پدر بزرگوار نے آج موعظہ میں کیا
بیان کیا اور حسنؑ بیان کر دیا کرتے تھے ۔
اس طرح سیدۂ عالم نے بتا دیا کہ اگر ضرورت ہو تو اپنے
بیٹے سے مدد لے لو مگر گھر سے قدم باہر نہ نکالو ۔
حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا بھی جو علمی کمال تھا وہ
اپنی مادر گرامی کی آغوش تعلیم اور بھائیوں کی معصومانہ تربیت
کے سوا کسی انسان کا رہین منت نہ تھا ۔ خالق کا فیض فطرت
اس کے علاوہ ہے ۔
نسوانی ترقی کے معیار کو سیدۂ عالم اور ان مخدرات نے
دنیا کے سامنے واضح کر دیا ہے ۔ اور وہی عقلی نقطۂ نظر سے بھی
ترقی کا حقیقی معیار رہے ۔
مرد اور عورت جبکہ مزاج طبعی میں الگ الگ ہیں تو ہم ،

زنانہ اوصاف بہتر طریقہ پر اختیار کر سکتا ہو اُسی طرح عورت کی ترقی یہ نہیں ہو کہ وہ ہر فن جس میں مرد اس وقت مہارت رکھتے ہیں اُس کو حاصل کر کے خود اُس میں مہارت کی دعویدار ہو جائے۔ بلکہ مرد کی ترقی یہ ہے کہ وہ بہتر مرد بنے اور عورت کی ترقی یہ ہے کہ وہ بہتر عورت بنے ۔ موجودہ تعلیم و ترقی میں عورتوں کے لیے سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ وہ عورت کو جغرافیہ ۔ سائنس ۔ منطق فلسفہ قانون ۔ تاریخ ۔ ادب ۔ علم الحیوانات ۔ علم النباتات ۔ علم النفس فن طبعیات ۔ فن اقتصادیات ۔ فن سیاسیات سب کچھ سکھاتی ہی مگر اچھی عورت بنانا نہیں سکھاتی اور یہی اس کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز ہی ۔ اور اس کی تعلیم کے لیے پردہ مانع نہیں بلکہ معاون ہے ۔

پھر اس تعلیم کے حصول کے ساتھ دوسرے فنون بھی سکھانا ہیں تو پردہ کی پابندی کے ساتھ اُن کے سکھانے کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ باپ اپنی لڑکی کو بھائی اپنی بہن کو تعلیم دے سکتا ہے بلکہ سیدۂ عالم نے دنیا کو یہ سبق دیا ہے کہ ضرورت ہو تو بیٹے سے ماں اپنے معلومات کے حصول میں مدد لے سکتی ہے ۔

حالانکہ سیدۂ عالم قدرت کی جانب سے جوہر علم سے مالامال کی گئی تھیں ۔ مگر آج چونکہ سیدۂ عالمین کے علمی کمال یا حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے کمال علم و فضل سے عورتوں کی تعلیم پر غلط طور سے استدلال کیا جاتا ہے اس لیے یہ بھی تو دیکھنے کی ضرورت

کتنی موجود ہیں۔

یہ ہزاروں ایجادیں جو اس وقت رائج ہیں اُن کے موجدین میں عورتیں کتنی ہیں؟

جو ہزاروں علمی انکشافات ہوئے اور ہو رہے ہیں ان انکشافات کرنے والوں میں عورتوں کی کتنی تعداد ہے؟

اس وقت اور اس کے پہلے کے فوجی افسروں اور ماہرین حرب میں عورتیں کتنی ہیں؟

بڑے بڑے عدالتی محکموں کے افسروں میں اور ماہرین قانون میں عورتوں کا تناسب کیا ہے؟

مختلف علوم و فنون کے مصنفین میں عورتوں کا تناسب کیا ہے؟

اگر آپ کو اتنی صدیوں کی بے پردگی اور تعلیمی آزادی کے بعد ان تمام شعبوں میں عورتوں کا درجہ (۰) کے برابر نظر آئے اور آپ یہ دیکھیں کہ اس بے پردگی کے ماحول میں عورت نے ان علوم و فنون میں مرد کے مقابلہ میں ذرہ بھر بھی قابل لحاظ ترقی نہیں کی ہے۔ اس کے برخلاف سینما کے ایکٹریسوں میں بہت سی عورتوں کے نام نظر آئیں گے۔ حسن کے مقابلہ میں ملکۂ حسن بننے کی کوشش کرنے والی یا یہ لقب حاصل کرلینے والیوں کی فہرست میں بہت نام نظر آئیں گے۔ اسپتالوں اور شفاخانوں

جن فنون میں پایۂ ترقی تک پہونچتا ہے اُن فنون کے اعتبار سے عورت کی ترقی کو جانچنا فطرتِ نسوانی پر ایک ظلم اور اُس کی توہین ہے اور اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے گا تو عورت کبھی مرد کے عدد و تک پہونچتے نظر ہی نہیں آئیگی خواہ پردہ ہو اور خواہ پردہ نہ ہو۔ مشاہدہ اس کا قطعی گواہ ہے ۔

ممکن ہے میری یہ صاف بیانی محترم خواتین کے لیے وقتی طور پر ناگوار ہو مگر میرے نزدیک اس میں اُن کی کوئی توہین نہیں ہے بلکہ اُن کے جوہر فطری کی خصوصیت کا اظہار ہے جسمیں مرد اُن کے ساتھ حصہ نہیں رکھتا ۔

اور یہ فطرت کا ایک عدل ہے کہ اُس نے ہر ایک کو مخصوص جوہر ذاتی کے اعتبار سے فرائض سپرد کیے ہیں ۔

وہ صاف بیانی جس میں تلخی محسوس ہونے کا اندیشہ ہو رہا ہے یہ ہے کہ ہندوستان کو جانے دیجیے جس میں عورتیں بیچاری بقول تمھارے زندہ درگور یعنی پردہ میں مقید ہیں ۔ ایران اور عراق میں بھی کہدیجیے کہ عورتیں چار دیواری میں قید سہی پھر بھی کچھ عرصہ قبل تک برقع و نقاب کے شکنجہ میں اسیر رہی ہیں مگر یورپ میں تو صدیوں سے پردہ اُٹھ چکا ہے اس کے باوجود اعداد و شمار سے مجھے بتائیے کہ مدبرین عالم میں عورتیں کتنی ہوئیں یا اس وقت کتنی ہیں ۔ مختلف علوم و فنون کے ماہرین میں عورتیں کتنی ہوئیں اور اس وقت

جواب:- اصل اصول مسلم ہے۔ بیشک اچھے بچے اچھی ماں ہی کی گود میں پیدا ہو سکتے ہیں مگر شرط یہی ہے کہ اچھی ماں ہو اور بچہ کو اپنی گود میں پناہ دینے کا وقت بھی رکھتی ہو۔

موجودہ تعلیم و تمدن میں تو خرابی یہی ہے کہ وہ عورت کو (بقدر صلاحیت) جغرافیہ داں، سائنس داں، تاریخ داں وغیرہ وغیرہ سب کچھ بنا سکتی ہے مگر اچھی ماں نہیں بنا سکتی اور نہ اُسے بچوں کی تربیت کی طرف متوجہ رکھ سکتی ہے۔ بچہ کی جائے پناہ ملازم یا ملازمہ کی گود اور اُس کی نگرانی رہ جاتی ہے اور ماں بس کسی کسی وقت تفریحاً بچہ کے ساتھ اظہار محبت کرے تو کر دے۔ عملی طور پر اسکی تربیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی ہے۔

اس کا نتیجہ جو مشاہدہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ناموں کی تصریح کے ساتھ پیش کرنا ممکن ہے۔ کچھ "آبگینوں" کو ٹھیس لگنے کا سبب بنجائے۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ ہمارے ملک، ہماری قوم کے ایسے نازفرزند جن میں سے بعض ہوائے تجدد میں پیدا ہوئے ہیں انداز کرتے ہوئے خود اس وقت پردہ کی مخالفت میں پیش پیش ہیں اور اُسی طرح کے دلائل پیش کر رہے ہیں جن پر تبصرہ ان سطور میں مدنظر ہے۔ ہاں ہاں بیشک یہ ہماری قوم کے سرمایۂ فخر فرزند جو اپنے دماغی اور علمی کارناموں کی بدولت آسمان تمدن پر سورج بنکر چمکے ہیں خود پردہ دار اور قدیم تمدن کی پابند ماؤں کی گود

میں نرسنگ (مرہم پٹی اور تیمارداری کرنے والیوں) میں بہت سی فرد بیں نظر آئینگی اور اگر علوم و فنون کے شعبوں میں نام سنائی دے تو افسانہ نگار، اخبار نویسی، اور شاعری کے ایسے لطیف ادبی شعبوں میں وہ بھی مردوں کے برابر نہیں تو یہ سچائی کے ساتھ فطرت کی بارگاہ میں سر خم کر دیجیے اُس تفریق کو مانتے ہوئے جو اُس نے مرد و عورت کے درمیان رکھ دی ہے اور پیشانی جھکا دیجیے پیغمبر فطرت کے اس ارشاد کے سامنے کہ

المرأۃ ریحانۃ ولیست بقھرمانۃ

"عورت پھولوں کا گلدستہ ہے، طاقت و قوت کا مجسمہ نہیں ہے۔"

یہ ارشاد جو دونوں کے اختلاف فطرت کے ساتھ اختلاف فرائض کا پتہ دے رہا ہے۔ جس اختلاف پر تقسیم عمل کے قانون کی بنیاد قائم ہے۔ جس قانون سے بغاوت لفظی طور پہ صدائے بے ہنگام کے طور پر زبان سے ہوتی رہے مگر عملی دنیا میں نہ کامیاب ہوئی ہے نہ کبھی ہو سکتی ہے۔

چھٹا اعتراض اچھے بچے اچھی ماؤں ہی کی گود میں پل کر بڑھ سکتے ہیں۔ جب مائیں جاہل توہم پرست اور کوتاہ نظر ہونگی تو بچوں میں علمی اور نظری بنیاد کا پیدا ہونا غیر ممکن ہے۔

آپ فوراً صندوقچہ کو مقفل کر دیتے ہیں۔ یہ اُس شخص کو دیکھتے ہی صندوقچہ کو مقفل کر دینا اس شخص کی ایک طرح ہتک کا باعث ہو سکتا ہے جس کے آنے پر حفاظت ضروری سمجھی گئی ہے۔ یوں ہی سمجھ لیجیے کہ فطرت شناس دین اسلام کو عورت کی سلامت روی پر اعتماد و اطمینان تھا کہ تحریک خیانت طبعاً عورت کی جانب سے نہیں ہوا کرتی اس لیے مرد کا حسن اگر بے پردہ رہے تو کوئی نقصان نہیں ہے لیکن مرد کی نیک دلی پر اسلام نے اعتماد و اطمینان نہیں کیا اس لیے عورت کو پردہ میں رکھا گیا تاکہ اُسکی دولت حسن و آبرو دستبرد و غارت گری سے محفوظ رہے۔ اسی لیے عورتوں کا پردہ خود عورتوں کو اُتنا بار نہیں جتنا آج کل کے غیور نہ خود دار مردوں کو بار ہے۔

کاش عورت نے بطور خود پردہ پہ احتجاج کیا ہوتا تو اس میں خلوص اور ذاتی تاثر کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا مگر حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کے پردہ پر احتجاج مردوں نے شروع کیا۔ برا نہ مانا جائے تو کہوں کہ یہ احتجاج ایسا ہے جیسے تمام دنیا کے چور اور ڈاکو مجتمعہ طور پر کانفرنس منعقد کریں اور اس پر احتجاج کریں کہ راتوں کو گھروں کے دروازے بند کیوں ہوتے ہیں؟ صندوقوں اور تجوریوں میں قفل کیوں لگائے جاتے ہیں اور بینکوں کی حفاظت میں اتنا اہتمام کیوں ہوتا ہے؟ ایسے آج تو

میں بلکہ پروان چڑھے ہیں جبکہ ان کی اولاد جو ہرگز اپنے بزرگوں کے درجہ پر نہیں پہونچ سکی بے پردہ ماؤں کا نتیجہ پرورش ہے ہمارے یہ "مفلسین" اگر خود اپنی آغوش تربیت کے نتیجہ پر جو پردہ کی پابندی کے ساتھ تھی اور اپنی اولاد کے آغوش تربیت کے نتیجہ پر جو پردہ سے آزاد تھی ایک عبرت پذیر توجہ کے ساتھ غور فرمائیں تو پردہ کے خلاف اپنے استدلال کی کمزوری کا خود انھیں اندازہ ہو سکتا ہے۔

ساتواں اعتراض پردہ سے عورت کی توہین و تذلیل ہوتی ہے اور یہ بڑی ناانصافی ہے کہ مردوں کو تو پردہ کا حکم نہ دیا جائے اور عورتوں کو پردہ میں قید رکھا جائے۔

جواب جنس عزیز کی حفاظت ہوتی ہے اور وہ پردہ میں رکھی جاتی ہے۔ توہین کا تخیل اس میں نہایت عجیب ہے۔ بلکہ اگر کوئی توہین کا اس میں پہلو ہو سکتا ہے تو مرد کے لیے کیونکہ حفاظت اسی سے کی جاتی ہے جس پر اعتماد و اطمینان نہ ہو۔ مثال کے طور پر اپنا ضروری کاغذات یا نقد و جواہر کا کوئی صندوقچہ کھولے ہوئے کچھ دیکھ رہے ہوں اور کوئی آپ کا سمجھا بوجھا ہوا دوست آجائے تو آپ بدستور صندوقچہ کھلا ہوا چھوڑ کر اس سے گفتگو میں مصروف ہو جائیں گے لیکن نیا کوئی مشکوک آدمی آگیا ہو

دامن پکڑ کے روکے گی نہیں۔

حالانکہ جس طرح پردہ میں یہ مضرت جسمانی کا پہلو ہے اسی طرح حفظان صحت کا پہلو بھی موجود ہے۔ وہ یہ کہ سڑکوں پر راستوں میں گلیوں میں اور بالخصوص سینماؤں اور تھیٹروں میں جہاں بھیڑ ہوتی ہے۔ کھوے سے کھوا چھلتا ہے اور ہر طرح کے لوگ پاس پاس بیٹھے ہیں بجانے کتنی قسم کے امراض کے مبتلا لوگوں سے مڈبھیڑ ہوتی ہے۔ کتنوں سے بات چیت ہوتی ہے۔ کیسے کیسے اشخاص کے پاس بیٹھنا ہوتا ہے اور مختلف طرح کے جراثیم ہوا میں تنفس اور تکلم کے ذریعہ سے جسم تک پہونچنے کے امکانات ہوتے ہیں اور ان جراثیم کی مضرتوں سے عورتیں پردہ کی پابندی کی وجہ سے زیادہ محفوظ رہ سکتی ہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ باوجودیکہ پردہ کے رواج کو چودہ سو برس کے قریب ہو چکے پھر بھی مسلمانوں میں عورتوں کی مردم شماری کا تناسب مردوں سے زیادہ ہی رہا جس کی وجہ سے ایک ایک مرد کو چار عورتوں تک شادی کرنے کی اجازت کا نفاذ رہا۔ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ بڑی پردہ کی پابند عورتیں بھی اسی اور نوے سے زیادہ کی عمر تک پہونچتی رہی ہیں۔ جبکہ موجودہ زمانہ میں بہ نسبت پہلے کے اوسط کے لحاظ سے بہت سی مسلمان عورتوں میں بھی آزادی پیدا کر چکا ہے مردوں کی مانند اور بہ نسبت پہلے

یہ فتویٰ نہیں دیا جاسکتا کہ ریلیں چلانا موقوف۔

جن شہروں میں مل (کارخانے) ہیں وہاں کی آب و ہوا عموماً خراب ہو جاتی ہے۔ یہ ملوں کا دھواں اور اس کے اندر کے ذرات جو شہریوں کے جگر اور پھیپھڑوں تک پہونچتے ہیں بڑے خراب اثرات پیدا کرتے ہیں مگر کوئی نہیں کہتا کہ یہ مل بند کر دیے جائیں ایسا بھی نہیں کہ ان تمام مضر صحت اثرات کے اندر رہنے والے سب اثر قبول ہی کر لیتے ہوں۔ قدرت کی طرف سے ایک مضر چیز کے اثر کو زائل کرنے کے لیے بچانے کیا کیا مصلح چیزیں ہوا کرتی ہیں جس کی وجہ سے اکثر اشخاص زندہ بھی رہتے ہیں اور نہیں متاثر ہوتے۔ پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ پردہ نقصان صحت کے لیے مضر ہے تو اس کی وجہ سے وہ ضرورت نظر انداز نہیں کی جا سکتی جو پردہ کے قیام کی متقاضی ہے۔

بے شک پردہ کے حدود کے اندر جہاں تک ممکن ہو ان مضر اثرات کو دور کرنے کی کوشش بھی کی جائے مثلاً صاحبان دولت اگر خود اپنی پردہ دار کوٹھی کے گرد ایک وسیع احاطہ کو زنانخانہ سے مخصوص کر دیں تو روشنی اور تازہ ہوا سے عورتیں متمتع ہو سکتی ہیں۔ پھر شرعی پردہ کی واجب مقدار کے ساتھ باپ بھائی یا عزیزوں کی نگرانی میں اگر کسی باہر کے اپنے باغ یا کھیتوں میں وہ تفریح بھی کرنا چاہیں تو شریعت

سے گھٹ گئی ہے۔

یہ پردہ کی برکت نہیں بلکہ موجودہ زمانہ کی حفظان صحت کے اصول سے گرے ہوئے مگر غیر فطری ماحول اور مصنوعی زندگی کی برکت ہے جس کی وجہ سے مردوں کی عمر طبعی بھی پہلے کی نسبت گھٹ گئی۔ پھر عورتوں کی عمر کا گھٹنا پردہ کا نتیجہ کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ پردہ کے خلاف جتنے اعتراضات ہیں وہ سب بالکل غلط ہیں۔ عقلی حیثیت سے پردہ مستحسن اور شرعی حیثیت سے لازم ہے اور مسلمان عورت کے لیے مذہبی طور پر اس کی پابندی بہرحال ضروری ہے۔ والسلام۔

علی نقی النقوی